عمر صدیق صاحب کی نیٹ پر موجود، یزید مخالف تقریر کا پوسٹمارٹم

مطرق الحدید
بر
معاند یزید

از

عبدالودود صدیقی سلفی

ناشر

دائرۃ البحوث الاسلامیہ، کلیان، ضلع تھانہ، مہارشٹر

عمر صدیق صاحب کی نیٹ پر موجود، یزید مخالف تقریر کا پوسٹ مارٹم

مطرق الحدید

بر

معاند یزید

از
عبدالودود صدیقی سلفی

ناشر
دائرۃ البحوث الاسلامیہ، کلیان، ضلع تھانہ، مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ از امجد خان بھیونڈی

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین اما بعد۔اللہ تعالیٰ ہی تمام حمد وشکر کا مستحق ہے جس نے ہمیں اس ہدایت،توحید وسنت اور صحیح سلفی منہج کے حصول کی توفیق دی اور اگر وہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی بھی ہدایت یاب اور فلاح یاب نہیں ہو سکتے تھے اور اسی کیلئے تمام تعریفیں ہیں جس نے قسم قسم کی مخلوقات پیدا کیں اور ان کی پیدائش میں جس طرح چاہا اپنی قدرت وعزت سے تصرف کیا اور جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو ارشاد فرمایا فامایا تینکم منّی ھدیً فمن تبع ھدای فلا یضل ولا یشقی ٥(سورہ طہ۲۰:۱۲۳)اب تمہارے پاس جب میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے تو نہ تو وہ بہکے گا اور نہ تکلیف میں پڑے گا اور انسانوں اور جنوں کی طرف انہیں آگاہ کرنے اور ان کے عذر مٹانے کیلئے اپنے رسولوں کو بھیجا اور اپنی کتابیں نازل کیں اور ان کی فرماں برداری کرنے والوں کو اپنی بھرپور نعمتوں سے نوازا اور ان کی مخالفت کرنے والوں پر اپنی حجت پوری کردی،دلیلیں قائم کر دیں،راستہ ظاہر کردیا،روڑے دور کردئے،معذوری دفع کردی،سچائی واضح کردی اور منہج دین متعین کردیا۔اور جس کسی نے اللہ کے اتارے ہوئے اس منہج کی خلاف ورزی کی اسے اسی گمراہی کی طرف ڈھکیل دیا اور اسکا ٹھکانہ جہنم بنادیا اور کھلے لفظوں میں فرما دیا''ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبل المومنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جھنم وساءت مصیراً ٥(سورۃ النساء۴:۱۱۵)''جو ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر کسی اور راستہ کی پیروی کرے تو وہ جدھر جارہا ہے ہم بھی اسے ادھر جانے دیں گے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ ٹھہرنے کے حساب سے بری جگہ ہے''اور دوسری جگہ قران مجید میں انہیں مومنین کے گروہ کے ایمان کی کسوٹی قرار دیا اور فرمایا فان آمنوا بمثل ما امنتم بہ فقد ھتدوا(سورۃ البقرہ۲:۱۳۷)ترجمہ''پس ایمان لاو جس طرح سے یہ لوگ(یعنی صحابہ کرامؓ)ایمان لائے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

درود وسلام ہو اللہ کے آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعلمین بنا کر مبعوث کیا اور جنہوں نے نجات پانے والے اور جنت میں جانے والے گروہ کی نشانی یہ بتلائی کہ''ما انا علیہ واصحابی الیوم(احمد و ترمذی وغیرہ)جس پر آج میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنھم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت

فرمائی کہ ''خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم'' (صحیح البخاری وغیرہ) ترجمہ ''سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں' اس کے بعد جوان سے لگ کر ہیں اور اس کے بعد جوان کے بعد ہیں'' اللہ کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ کی طرف سے ایک منہج متعین کیا جس میں صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد آنے والے سلف صالحین کے طریقے کو واضح فرمایا۔ اسلام کے اتنے واضح' روشن اور صاف وشفاف طریقے اور منہج کے ہوتے ہوئے بھی لوگ کس طرح اندھیروں اور گمراہیوں میں بھٹکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آج اسلام کے ماننے والوں میں شدید قسم کا اختلاف اور تفرقہ بازی نظر آتی ہے جس کی منجملہ وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے قران وسنت کی تعلیمات کے ساتھ طریقہ سلف صالحین کو پس پشت ڈال دیا اور دور کی گمراہی میں جا پڑے۔ اسی طرح اسلام کی سچی اور صاف وشفاف تعلیمات کو چھپانے اور لوگوں کو اس سے گمراہ کرنے کے لئے دشمنان اسلام نے ایک ہتھکنڈا استعمال کیا وہ یہ ہے کہ انہوں نے خیر کی آڑ میں شر پھیلایا اور اسلامی شخصیات کو نشانہ بنایا جو اس دین متین کے علمبردار تھے اس کا مشاہدہ خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے خیر القرون (سب سے اچھے زمانے) میں کیا۔ علی بن ابی طالبؓ کے سامنے خوارج نے قرآنی آیت ان الحکم الا للہ (یوسف ۶۷) سے صحابہ کرام کو کافر اور مطعون قرار دیا۔ اسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تربیت یافتہ صحابی کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ کلمۃ حق ارید بھا الباطل یعنی یہ کلمہ تو حق ہے لیکن اس سے باطل کا مفہوم لیا جا رہا ہے'' روافض وشیعوں نے اہل بیت کی محبت کی آڑ میں جلیل القدر صحابہ کرامؓ خلفائے ثلاثہ سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنھم اور دیگر صحابہ کرام کو لعن طعن، گالی گلوچ کرنا شروع کیا اور ان تمام پاکیزہ نفوس کو کافر قرار دے کر اپنی بدبختی کا ثبوت مہیا کیا۔ اس طرح ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر گیا اور مختلف فرقے وجود میں آئے جن کی وجہ سے آج بھی ملت اسلامیہ لرز رہی ہے۔ یہ تمام سازشیں انہیں دشمنان اسلام یہود کی مرہون منت ہیں جو قاتلان انبیاء ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے دین میں تحریف وتبدیلی کر ڈالی اور بغض وحسد کی آگ میں جلتے ہوئے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ملت اسلامیہ میں شرور وفتن پھیلائے یہی نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات اور اسکی شخصیات کو پامال کرنے کیلئے اپنی شاطر ذھنیت استعمال کر کے کذاب ودجال پیدا کئے جنہوں نے اپنی دروغ گوئی (جھوٹ) کی بنیاد پر اسلامی تواریخ میں تحریف کرنا شروع کر دیا۔ اور بڑی بڑی اسلامی شخصیات اور حکمرانوں کو متہم کیا جس کا نتیجہ شہادت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ' علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ

کی شکل میں سامنے آیا۔اتنا ہی نہیں بلکہ جن اہم شخصیات پر ان کا کچھ بس نہ چل سکا انہیں ان کی وفات کے کئی برسوں بعد جھوٹے واقعات گڑھ کر عوام الناس میں پھیلایا۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ تاریخی روایات کی پرکھ میں محدثانہ اصول نہیں برتے گئے۔اس لئے اپنے مفاد کیلئے ان میں من مانی تحریفات کی گئیں اور وقتاً فوقتاً فرضی واقعات بھی تاریخ کے سرمائے میں داخل کئے گئے۔وضع وتحریف کا یہ عمل اموی دور کی تاریخ کے ساتھ منظّم اور بڑے پیمانے پر کیا گیا۔یہی وجہ ہے کہ یزید بن معاویہؒ سے متعلق روایات میں بے پناہ الجھاؤ پایا جاتا ہے۔ان کو پڑھ کر ذھن میں یزید بن معاویہؒ کی جو شبیہ ابھرتی ہے وہ چونکہ ان کے خاندان اور خیر القرون کے سنہرے دور سے میل نہیں کھاتی،اس لئے ایک سچے مسلمان کیلئے کسی طرح قابل قبول نہیں ہے۔سیاست زدہ علماء ہر دور میں تحقیق کے نام پر کوئی نئ کوڑی لانے کے درپے رہتے ہیں۔کوئی کتاب لکھ کر تو کوئی **اپنی تلبیسی تقریر کر کے صحابہ کرامؓ اور خلفائے اسلام اور خیر القرون کے سیدھے سادے دور کو بدنام کرنے آتا ہے**۔چند برسوں پہلے جماعت اسلامی کے امیر مولانا ابوالاعلی مودودی میں رسوائے زمانہ تصنیف ''خلافت وملوکیت'' جیسی ایک سخت زہریلی کتاب لکھی جس سے صحابہ کرامؓ،اسلامی خلفاء وملوک اور تاریخ اسلام سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیلیں ہیں۔مودودی صاحب نے زیادہ تر مواد واقدی سے حاصل کیا ہے مگر ائمہ رجال میں مورخ واقدی کو کذاب اور وضاع کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔مودودی صاحب کی اس رسوائے زمانہ سخت زیرلی کتاب کی ارباب تحقیق نے زبردست تردید وتغلیط کی جن میں مولانا محمود احمد عباسی سید نور الحسن نمباری اور حافظ صلاح الدین یوسف قابل ذکر ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے چنندہ اور محقق بندے پیدا کئے ہیں جو تاریخی تلبیس کاری کے سلسلے میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیتے ہیں۔

اسی طرح چند سال پہلے حافظ زبیر علی زئی یزید بن معاویہؒ کے تعلق سے کچھ سوالوں کے جوابات میں حق کا دامن چھوڑتے ہوئے،علماء ومحدثین ومورخین ومحققین کے صریح بیانات سے گریز کرتے ہوئے انٹرنیٹ میں یوٹیوب میں نظر آئے۔یہ سلسلہ صرف یہیں تک نہیں رہا بلکہ اس کے بعد ان ہی کے شاگرد ہونے کا دعویٰ کرنے والے عمر صدیق سرگودہی (پاکستان) نامی مناظر منظر عام پر آئے اور انہوں نے کچھ صحیح وضعیف روایتوں اور کچھ علماء کے غیر صریح اقوال کو چیلینجنگ انداز میں ''منہج اہلحدیث اور یزید بن معاویہؒ نامی تقریر میں پرجوش اور جذباتی انداز میں پیش کیا۔یہ تقریر چونکہ انٹرنیٹ میں موجود ہے اس لئے اس کا طلسمی اثر گلوبلائز ہونا

ضروری تھا۔ دنیا کے مختلف علاقوں سے ہمارے سلفی برادران نے اس طلسمی تقریر کی طرف توجہ دلائی۔ جب ہم نے یہ تقریر سنی تو اسی سبائیت وشیعیت کا پروپیگنڈا ہم کو محسوس ہوا۔ اس تقریر میں حب اہل بیت کا سہارا لے کر خیر القرون کے صحابہ، تابعین وتبع تابعین کے امیر المومنین یزید بن معاویہؒ کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ عمر صدیق خود تقریر میں خلط مبحث کا شکار ہوئے اور اس لئے اپنا شیعیت زدہ موقف ثابت کرنے کیلئے جگہ جگہ کذب بیانی اور بہتان طرازی سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو فہم سلیم عطا فرمائے۔ اسی طرح زبیر علی زئیؒ کی شاگردگی کا دعویٰ کرنے والے عمر صدیق کے گروپ کے انجینیر مرزا نے بھی کچھ پی ڈی ایف اور آڈیوز وویڈیوز ڈال کر امیر المومنین یزید بن معاویہؒ اور انکے والد معاویہؓ کے بارے میں صحیح وضعیف احادیث کی روشنی میں غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی۔ یہ تمام افراد (اللہ ان کو سمجھ عطا فرمائے) سبائیت وشیعیت زدہ نظریات کے شکار ہیں۔ اتنا ہی نہیں انٹرنیٹ پر سفر کرنے والے ہر دل عزیز مقرر، جن کی آواز میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے جادو ہے، میری مراد برادر ابوزید ضمیر پونوی سے ہے تقریباً ڈیڑھ دوسال پہلے زبیر علی زئی، عمر صدیق اینڈ کمپنی سے متاثر ہو کر ایک نئی اور منفی تحقیق امیر یزید کے تعلق سے پیش کی۔ موصوف نے اپنی تقریر کا انداز ہی منفی رکھا۔ جس میں امیر المومنین یزید بن معاویہؒ اور خیر القرون کی ایسی مسخ شدہ تاریخ پیش کی کہ سلفی برادران جذباتی ہوگئے اور ابوزید ضمیر کی اس منفی پیش کش کی بنا پر یزید بن معاویہؒ کو غنڈہ اور موالی سمجھنے لگے۔ اور انہیں اسلامی تاریخ تاریک نظر آنے لگی۔

یہ تمام حضرات اپنے زعم کے مطابق بڑی نیک نیتی، اخلاص اور بقول ان کے وقت کے اہم ترین تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے ذمائم وقبائح صحابہ وتابعین کو ایک مرتب فلسفے کی شکل میں پیش کرتے ہوئے اس کو تحقیق کا نام دیتے ہیں۔ انہیں اسکا احساس ہو یا نہ ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان رسوائے زمانہ تقریروں کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ جدید نسل کو دین سے بیزار کر دیا جائے اور ہرایرے غیرے کو صحابہ کرام، تابعین وخلفائے اسلام پر تنقید کی کھلی چھوٹ دے دی جائے جنہیں نہ علم ہے، نہ فہم وفراست۔ برادر ابوزید ضمیر کی تقریر پر ہم سے بعض سلفی نوجوانوں نے کہا کہ شیخ نے تو حوالوں کے ساتھ تقریر کی ہے۔ یہ کیا بات ہوئی۔ کیا حوالہ دینا اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ ناقل نے وہ روایت ٹھیک اسی مفہوم کے ساتھ نقل کی ہوگی جو مفہوم وہ روایت اپنے سیاق وسباق میں دے رہی ہوگی؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ کتاب کا حوالہ تو ٹھیک ہو لیکن اس سے استدلال غلط کیا گیا ہو یا اس کو اس کے سیاق سے کاٹ کر کچھ کا کچھ بنا دیا گیا ہو؟

یہ دستور زباں بندی ہے کیا تری محفل میں   یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

اس تقریر کے بھیانک اور زہریلے اثرات کو دیکھتے ہوئے میں مع شیخ عبدالودود صدیقی سلفی، جیلانی وندیم، برادر ابو زید ضمیر کے پاس پونہ پہنچے وہاں ابوزید ضمیر سے شیخ عبدالودود صدیقی سلفی اور میں نے ان کی تقریر کی غلطیوں پر گفتگو کی لیکن حضرت کوئی مناسب جواب دے نہیں پائے اور اپنی بے لاگ تحقیق کا بھرم لے کر رہ گئے اور نہ ہی انہوں نے حوالہ جات پیش کئے **اور ایسے بودے سوالات کئے۔ جیسے عبداللہ بن زبیرؓ نے بیعت یزید کیوں نہ کی؟ ہم نے سوال کیا کہ سارے صحابہ نے بیعت کیوں کی؟** تو حضرت جواب نہ دیتے ہوئے ہمارے نوٹس کا مطالبہ کرنے لگے بہرحال ہم نے ان سے ویب سائٹ سے اس زہریلی تقریر کو ھٹانے کو کہا تو انکار کر دیا۔ ہم لوگ چونکہ ھنگامی طور پر ان سے مشورہ کرنے گئے تھے لہٰذا ہمارے پاس اس وقت نوٹس نہ تھے لیکن عبدالودود صدیقی سلفی نے ان کو نوٹس دینے کی یقین دہانی کرائی اور میں نے موصوف سے ان حوالہ جات اور کتابوں کے پڑھنے کی گذارش کی جن سے موصوف نے منفی وسبائیت زدہ مواد پیش کیا تھا اس لئے کہ ان ہی کتابوں میں یزید بن معاویہؒ کے بارے میں مثبت انداز میں بے حساب مواد موجود ہے اور ساتھ ہی ساتھ شیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی مایہ ناز تاریخی و تحقیقی کتاب خلافت وملوکیت کی شرعی حیثیت'' کے پڑھنے کی درخواست کی۔ ابوزید ضمیر نے یہ تمام مواد ایک بار پھر سے پڑھنے کی یقین دہانی کرائی لیکن افسوس کہ ان کی یہ زہریلی اور رسوائے زمانہ تقریر آج بھی ان کی بنائی ہوئی ویب سائٹ www.aslamic lectures.net پر موجود ہے۔

عبدالودود صدیقی صاحب نے اس تقریر کی تردید اپنی تحقیقی کتاب ضرب شدید بر مذمت یزید میں کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر سے نوازے۔ اس کتاب کو تیار کر کے ابوزید کے پاس بھیجا گیا لیکن آج بھی وہی حالت ہے۔ ارباب حل وعقد سے درخواست ہے کہ وہ ان سے بات چیت کر کے اس زہریلی تقریر کو نیٹ سے نکلوائیں اور ملت اسلامیہ کو گمراہ ہونے سے بچائیں۔ شیخ زبیر علی زئی کا رد بھی اس قسم کے مسائل میں کچھ علمائے کرام نے کیا ہے اسی طرح عمر صدیق سے بھی اس مسئلہ پر شیخ ابوالفوزان کفایت اللہ سنابلی نے بات چیت کی ہے۔ ان تمام مقررین ومصنفین نے حب حسین کی آڑ میں امیر المومنین یزید بن معاویہؒ کو سب وشتم کا نشانہ بنایا ہے۔ ہم لوگ بھی حب اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہیں اور حسین بن علیؓ تو خود صحابی رسول بھی ہیں لیکن جو مسئلہ یزید پر سب وشتم کرنے کا ہے، جسے بدقسمتی سے رواج عام حاصل ہو گیا ہے اور بڑے بڑے علامہ و

فہامہ بھی یزیدؒ کا نام برے الفاظ کے ساتھ لیتے ہیں، بلکہ اس پر لعنت کرنے میں بھی کوئی حرج تصور نہیں کرتے تو اس کو حبِّ حسین اور حب اہل بیت کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی اہل سنت کے مزاج اور مسلک سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ محققین علمائے اہل سنت نے یزیدؒ پر سب وشتم کرنے سے بھی روکا ہے اور اسی ضمن میں اس امر کی صراحت بھی کی ہے کہ یزید کا قتل حسین میں کوئی ہاتھ ہے، نہ اس نے اس کا کوئی حکم دیا اور نہ اس میں اس کی کوئی رضامندی شامل تھی جیسا کہ امام غزالی نے وفیات الاعیان جلد۳/۴۱۰) میں صراحت کی ہے۔ رہی بات یزیدؒ کے فسق وفجور کے افسانوں کی تو یہ بھی یکسر غلط ہے جس کی تردید کے لئے خود سیدنا حسینؓ کے برادر اکبر محمد بن حنفیہؒ کا یہ بیان ہی کافی ہے جو انہوں نے اس سے متعلق اسی قسم کے افسانے سن کر دیا تھا کما فی البدایہ والنہایہ (۲۳۶/۸

علاوہ ازیں کم از کم ہم اہل سنت کو اس حدیث کے مطابق ہی یزیدؒ کو برا بھلا کہنے سے باز رہنا چاہئے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ قسطنطنیہ میں شرکت کرنے والوں کے متعلق مغفرت کی بشارت دی ہے اور یزیدؒ اس غزوہ (جنگ) کے کمانڈر تھے۔ یہ بخاری کی صحیح حدیث ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کسی کاھن یا نجومی کی پیش گوئی نہیں کہ بعد کے واقعات جسے غلط ثابت کر دیں۔ اگر ایسا ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور کاھن کی پیش گوئی میں فرق باقی نہ رہے گا۔ کیا ہم اس حدیث کی مضحکہ خیز تاویلیں کر کے یہی کچھ ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ حدیث مع ترجمہ درج ہے اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم (صحیح بخاری الجہاد والسیر، باب ما قیل فی قتال الروم ح:۲۹۲۴) میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) میں جہاد کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس جہاد میں یزید نہیں تھے جیسا کہ انہوں نے ابوداؤد کی ایک غیر صریح روایت پیش کر کے احقاق حق سے آنکھ بند کر لی ہے۔ دوسری طرف عمر صدیق جیسے دھواں دھار مقرر نے کذب و بہتان باندھا کہ ابن قیم وابن تیمیہ سے پہلے کسی نے بھی یزید کو اس کا مصداق بنایا ہو اور ابوزید ضمیر نے بھی اس مسئلہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ آیئے ہم دیکھیں کہ ان حضرات کی بات کہاں تک صحیح ہے اور صحابہ کرامؓ اور علمائے کرام اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں۔

۱) محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ غزوۂ قسطنطنیہ کا امیر یزید بن معاویہ کو مانتے ہیں جیسا کہ خود صحیح بخاری، کتاب التہجد ج ۱۱۸۶ میں ہے۔

۲) مسند امام احمد بن حنبل (۴۱۶/۵) میں ہے کہ ان یزید بن معاویہ کان امیرً علی جیش الذی غزا فیہ ابوایوب۔ ۳) ابن سعد (متوفی فی ۲۳۰ھ نے الطبقات الکبری ۴) ابن جریر الطبری متوفیٰ ۳۱۰ھ نے تاریخ الامم والملوک ۵۲۳۲/۵) تاریخ خلیفہ بن خیاط ۱۹۴/۱-۶) ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے البدایہ والنھایہ ۷) ابن تیمیہؒ نے الفتاوی الکبری ۸) علامہ ذھبی نے سیر اعلام النبلاء میں ۹) حافظ ابن حجر عسقلانی نے مھلب سے فتح الباری الا صابہ ۹۰/۲ میں اور ابن الاثیر نے اسد الغابہ ۹۴/۲ میں اسی طرح بہت سارے علمائے محدثین اور مورخین نے روایات لا کر ثابت کیا ہے کہ اس لشکر کے امیر یزید بن معاویہؒ تھے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ایسے بندے ہر دور میں پیدا کئے ہیں جو اسلام کی تابناک تاریخ پر پڑے گرد و غبار کو ہمیشہ صاف کرتے رہیں گے۔ دیکھئے کس طرح ایک غلط مفروضے پر عمر صدیق جیسے عالم نے ایک ہوائی عمارت کھڑی کر دی اور خلط مبحث کیا ہے۔ **اہل حدیث ہند کے باغیرت سلفی مصنف شیخ عبدالودود صدیقی سلفی نے عمر صدیق جیسے قصہ گو کی تقریر کا اپنی اس کتاب میں تحقیقی جائزہ لیا ہے۔** اس کتاب میں تاریخی روایات کی چھان بین کر کے اور عمر صدیق کے خلط مبحث کو واضح کر کے، اس کے افسانے کو بے نقاب کیا۔ یزید بن معاویہؒ کی شخصیت کے صحیح خدوخال کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کی تالیف پر کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ مذکورہ مقرر تو اسلام کی بڑی خدمت انجام دیتے ہیں جیسے کہ عمر صدیق مناظرہ بازی میں بہت مشہور ہیں اور ابو زید ضمیر پونہ بھی تبلغ دین کرنے میں جان کر حیرت ہوگی کہ بہت سارے کذاب و دجّال روایان مبتدعین بدعت بھی بڑی اچھی آواز میں قران پڑھتے اور اچھی پر اثر تقریریں کرتے تھے جس سے لوگ ان کے دام فریب میں آجاتے تھے۔ علامہ ذھبی نے ایسے بہت سے راویوں کے بارے میں میزان و سیر اعلام النبلاء میں ذکر کیا ہے۔ امام ابن معین نے کہا ہے کہ **یوسف سمتی کان یکذب و یخاصم الیھود و االنصاری (تاریخ بن معین ص ۶۸۵ ج ۲) یعنی سمتی کذاب تھا اور یہود و نصاری سے مناظرے کیا کرتا تھا۔**

یہود نصاری سے سمتی کی مناظرہ بازی کو بھی کار خیر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کیونکہ اسلام کی فطرت میں یہود و نصاری سے مناظرہ کرنے والوں سے عام اہل اسلام خوش رہا کرتے ہیں۔ خواہ اس نے یہ محض پیشہ اور حصول شہرت کے لئے اختیار کیا ہو اور بذات خود اس کا عقیدہ خالص اسلامی نظر سے اس حد تک متبدعانہ ہو کہ اسے زندیق

کہا جاسکتا ہو نیز وہ کذاب اور وضاع بھی ہو۔جھم بن صفوان اور جعد بن درھم وغیرہ بھی تو غیر مسلمین سے بزعم خویش مناظرہ کرتے اور حق ثابت کرنے کی کوشش کرتے مگر ان کا اپنا جو حال تھا وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

شیخ عبدالودود صدیقی سلفی نے ماضی میں متعدد شیعہ علماء سے بہت سے مناظرے کیئے۔ممبرا میں متعدد شیعہ علماء سے بہت سے مناظرے کیئے۔ممبرا میں چھ سات دیوبندی اور بریلوی لڑکے شیعہ بن چکے تھے ان کے تحفظ کے سلسلے میں شیعہ مناظر سے مسلسل کئی دنوں تک مناظرہ کرکے ان کو شکشت سے دوچار کیا اور وہ تمام لڑکے تائب ہوئے نیز ساکی ناکہ ۹۰ فٹ روڈ کے علاقے میں بھی ایک مناظرہ شیعوں سے کیا۔ایک مناظر ممبرا میں شیعہ مجتھد شمیم سے کیا جس میں امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئ شیخ عبدالسلام سلفی اور شیخ مقیم فیضی سابق ناظم اعلی جمعیت اہلحدیث بھی موجود تھے۔اس مناظرے سے شیعہ مجتہد نے راہ فرار اختیار کی،معذرت طلب کی۔شیخ عبدالسلام سلفی نے شیعہ مجتہد سے کہا کہ آپ ہمارے مناظر (راقم الحروف) سے مناظرہ کر رہے ہیں یا انٹرویو لے رہے ہیں۔اس پرلطف گرفت سے شیعہ مجتہد شرمندہ ہوا اور مناظرے سے مغدرت طلب کی پھر اگلے ہفتے یہ مناظرہ ناظم اعلی صوبائی جمعیت اہلحدیث شیخ حمیداللہ سلفی کے مدرسہ میں بہت سے علما کی موجودگی میں ہوا۔نیپال کے پانچ چھ علماء بھی اس میں موجود تھے۔شیخ حمیداللہ سلفی نے شرائط مناظرہ کی تعیین میں ہی کتب احادیث کی ایسی شرح کی کہ شیعہ مناظر مبہوت رہ گیا اور شیخ عبدالودود صدیقی نے تقیہ کے عنوان پر شیعی مناظر کو شکست سے دوچار کیا۔موصوف نے ردشیعیت میں بھی موقف حسین و یزید،حدیث غزوۂ قبرس و قسطنطنیہ بریلویت پر شیعیت کے گہرے سائے ،جماعت اسلامی کی شیعہ دوستی ،صرب شدید بر مذمت یزید اور یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے تالیف کی۔بہر حال ہم نے یہ کتاب پڑھی شیخ عبدالودود صدیقی سلفی یہ ایک علمی کاوش ہے عالمانہ،محققانہ بنیادوں پر بہت ہی سلیس اور شگفتہ طرز تحریر پر تیار کی گئی ہے جس سے اعدائے دین،سبائیوں اور متشرقین کے پھیلانے ہوئے علمی وساوس،اور شکوک وسبھات کا ازالہ ہوتا ہے۔

پاپوش میں لگادی کرن آفتاب کی
جو بات کی اللہ کی قسم لاجواب کی

اردو زبان میں اس نوعیت کی بے لاگ تحقیقی اور سنجیدہ کتاب کی اشد ضرورت تھی۔امید ہے کہ اہل علم اور خواص اسے تحسین کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ان شاءاللہ احقاق حق وابطال باطل کی اس کوشش کو سرایا

جائے گا۔ اللہ تعالیٰ شیخ عبدالودود صدیقی سلفی صاحب کو خلوص کے ساتھ مزید خدمت دین کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو ان کے حسنات میں اضافے کا سبب بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

امجد خان بھیونڈی۔

فضیلۃ الشیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ القِيَامَةِ

صحابی رسول ابوالدرداء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے بھائی کی عزت سے اس چیز کو دور کرے گا جو اسے عیب دار کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے جہنم کی آگ دور کردے گا۔ [سنن الترمذی ت شاکر: ٣٢٧/٤ ، رقم ١٩٣١ والحدیث صحیح باتفاق العلماء]۔

اس حدیث میں اس بات کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کیا جائے بلکہ اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس عمل کو جہنم سے نجات کا ذریعہ بتایا گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی عزت کا دفاع کرنا ایک مستحب اور بے حد پسندیدہ کام ہے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اگر ایسی شخصیات کی عزتوں کا دفاع کیا جائے جو صاحب فضیلت ہوں تو اس عمل کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے مثلا اگر کسی صحابی کی شان میں گستاخی کی جاتی ہے اور ان پر غلط اور جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں تو ایسے صحابی کی عزت کا دفاع کرنا بہت بڑی عبادت اور بہت بڑے اجر وثواب کا باعث ہے۔

اسی طرح صحابہ کے بعد تابعین کی جماعت امت مسلمہ کی افضل ترین جماعت ہے اگر اس جماعت کے کسی فرد کی عزت پر حملہ کیا جائے اور اس پر جھوٹے الزامات لگائے جائیں تو ان کا دفاع کرنا بھی بہت بڑے ثواب کا کام ہے اور جہنم سے نجات کا ذریعہ۔

یزید بن معاویہ رحمہ اللہ تابعین میں سے ہیں بلکہ صحابی رسول امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ اوران پر بھی جھوٹے، مکار اور سبائی درندوں نے بہت سارے الزامات لگائے ہیں اوران کی عزت پر بہت حملہ کیا ہے

اس لئے ان کا دفاع کرنا بھی پیش کردہ حدیث پر عمل کرنے میں شامل ہے۔ یادرہے کہ:

اللہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید بن معاویہ کی بخشش کی بشارت دی ہے [بخاری رقم ٢٩٢٤ نیزدیکھیں رقم ١١٨٦]۔

صحابہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں نیک اور صالح ترین شخص کہا ہے [أنساب الأشراف للبلاذری:٢٩٠/٥ واسنادہ حسن لذاتہ]۔

اسی طرح حسین رضی اللہ عنہ نے انہیں امیرالمؤمنین کہا ہے[تاریخ الأمم والرسل والملوك للطبری:٢٩٩/٣ واسنادہ صحیح]۔

تابعین میں محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے انہیں عبادت گذار، خیر کا متلاشی، سنت کا پاسدار اور علم دین کا شیدائی کہا ہے [البدایة والنهایة:٢٣٣/٨ ،تاریخ الإسلام للذهبی ت تدمری:٢٧٤/٥ نقلا عن المدائنی واسنادہ صحیح]۔

اس کے برخلاف یزید کے مذمت میں جو باتیں کہی جاتی ہیں ان میں سے ایک بھی خیرالقرون کے حوالہ سے ثابت نہیں ہیں اور صدیوں بعد پیدا ہونے والے بعض اہل علم کی شاذ آراء اور غیر تحقیقی تبصرے بے دلیل ہونے کے سبب غیر مسموع ہیں۔

معلوم ہوا کہ یزید بن معاویہ کی صرف خوبیاں ہی ثابت ہیں اس لئے ان پر بے دلیل لگائے گئے الزامات کا رد کرنا اور ان کی شخصیت کا دفاع کرنا مذکورہ حدیث کی روشنی میں بہت بڑے ثواب کا کام ہے اور جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ یزید کے بہانے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کی کردارکشی کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو دفاع یزید کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔

یادرہے کہ ایک طبقہ امیر یزید کی شخصیت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردارکشی کے لئے زینہ بناتا ہے اور ہمارے بھولے بھالے لوگ اس سازش کو بھانپ نہیں پاتے۔غور کرنے کی بات ہے کہ جو طبقہ عظیم المرتبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حتی کہ خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک کی کھلے عام توہین کرتا ہے اس کی نظر میں ایک غیر صحابی یزید بن معاویہ کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے لیکن اس کے باوجود بھی آپ دیکھے گے کہ یہ لوگ یزید کی

مذمت کا از حد اہتمام کرتے ہیں اور اس پر بہت زیادہ توانائی صرف کرتے ہیں، اس کے پیچھے ان کا واحد مقصد یہی ہے کہ اس راہ سے اہل سنت بھی ان کے ہم سفر ہو جائیں گے۔ ورنہ اگر یزید کو بیچ سے الگ کر کے براہ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردار کشی کی جائے تو کوئی بھی سنی مسلمان ان کا ساتھ نہیں دے گا۔

ایسی صورت میں ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس سازش کو بے نقاب کرنے کے ساتھ ساتھ یزید بن معاویہ کی اصل سیرت سے بھی لوگوں کو باخبر کریں۔

نیز امیر یزید جس دور سے تعلق رکھتے ہیں اس دور کو اللہ کے نبی ﷺ نے خیر القرون کہا ہے نیز یہ دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی دور ہے جن کا علم وفقہ فہم نصوص میں ہمارے لئے مرجع ہے، اب غور کریں یہ کتنی خوفناک بات ہے کہ جس دور کو خیر القرون کہا گیا جن کی فہم وفقاہت ہمارے لئے مرجع کی حیثیت رکھتی ہے ایسے دور کو یزید کے بہانے شر القرون ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے بلکہ حد ہوگئی کہ مسلمانوں کے خلیفہ اور اسلامی فوج کو کفار سے بھی زیادہ ظالم اور بدکردار بتلایا جاتا ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا یہ کردار اس دور کے مسلمانوں کا ہوسکتا ہے جس کے خیر کی شہادت زبان رسالت نے دی ہو؟ نیز کیا یہ دور ہمارے لئے فقہی مرجع کا دور ہوسکتا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ سب ایک سازش ہے اور یزید کے بہانے ایک طبقہ ہمیں ہمارے اسلاف ہی سے بدظن کر کے ان کی فہم وفقاہت سے ہمیں محروم کرنا چاہتا ہے۔

ایسی صورت میں ضروری ہے کہ اصل حقائق سے لوگوں کو آگاہ کریں، اور قرون مشہود لہا بالخیر کی صحیح تاریخ پیش کی جائے۔ زیر نظر کتاب میں جناب عبدالودود صاحب نے یہی کوشش کی ہے اللہ اسے قبول فرمائے۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الأمين وعلى آله واصحابه أجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.

امابعد:

پونہ (مہاراشٹر۔ ہند) کے مشہور ومعروف داعی ومبلغ جناب ابوزید ضمیر کی حسین و یزید کے عنوان پر ہوئی تقریر کا جواب بعنوان ضرب شدید بر مذمت یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ لکھ کر نیز تقسیم سے ابھی فارغ نہ ہوا تھا کہ دوست احباب نے انٹرنیٹ سے الشیخ عمر صدیق کی رسوائے زمانہ تقریر بعنوان منہج اہلحدیث اور یزید بن معاویہ نکال کر دی۔ اس تقریر کو از اول تا آخر سن کر فوراً اپنی بیاض میں من وعن نقل کیا تا کہ اس کا جواب دیا جاسکے۔ خیال تھا کہ اپنی چند تیار کتب کی اشاعت سے فراغت کے بعد انشاء اللہ اس کا جواب لکھوں گا۔ لیکن برادران اہلحدیث نے عمر صدیق کی اس تقریر کا جواب لکھنے پر متعدد بار اصرار کیا۔ لہٰذا یہ تحریر پیش خدمت ہے۔

ویسے نیٹ میں پاکستان کے ابوعمر صدیق علی عثمانی کا مختصر پمفلٹ آج ہی مجھے موصول ہوا۔ پرنٹ کاپی نکال کر مطالعہ کیا۔ یقیناً یہ ایک بہترین جواب ہے لیکن بہت مختصر۔ کسی کسی مسئلہ میں تفصیل بھی ہے لیکن یہ ایک اجمالی جواب ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قدرے تفصیل سے عمر صدیق کی خرافات و واہیات اور سبائی ذھنیت کا جائزہ لیا جائے۔ جس طرح ہم نے ابوزید ضمیر کی یاوہ گوئی کے تار و پود کو ڈائنامائٹ کیا۔

عمر صدیق نے اپنے بیان کا آغاز اہل بیت اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کے فضائل سے کیا ہے اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ اہل بیت کی عظمتیں اور رفعتیں سر آنکھوں پر ان کی محبت کے انمٹ نقوش ہمارے لوح قلب و نظر میں محفوظ ہیں ۔ لیکن یاد رہے کہ اہل بیت میں شیعی فکر و نظر کے مطابق

صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ وحضرت حسین رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ اہل بیت رسول میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ، بنات تمام بیٹیاں ، داماد، نواسے، نواسیاں، آل علی ، آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس یہ سب شامل ہیں ۔ ہم فضائل اہل بیت کے عنوان سے اختلاف نہ ہونے کی بنا پر صرف نظر کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

تحقیق قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ

حافظ عمر صدیق پاکستانی اپنی تقریر میں قلت تحقیق کی بنا پر تذبذب وتر دد کا شکار ہوتے ہوئے خلط مبحث کا شکار ہوئے ۔فرماتے ہیں'' دو روایتیں ہیں ۔سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک عراقی (کوفی) نے مچھر کے قتل کے بارے میں سوال کیا۔ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ماردیا تب تو کسی سے پوچھا نہیں اور مچھر مارنے کے بارے میں پوچھتے پھرتے ہیں۔ دوسری روایت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہ یہ عراقی قاتل ہیں۔''

وضاحت : عمر صدیق نے اس بیان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ام سلمہؓ دونوں سے یہ نقل کیا ہے کہ قاتلان حسین شامی (لشکر حضرت یزید) نہیں بلکہ عراقی (کوفی) تھے۔لیکن مقرر موصوف کی تضاد بیانی اور تذبذب صریح ملاحظہ فرمائیں کہ شروع میں عراقیوں (جنہوں نے حسینؓ کو دعوت امارت دے کر بلایا تھا) کو قاتل قرار دینے کے باوجود پوری تقریر میں حضرت یزید ہی کے قاتل حسین ہونے کو ثابت کرتے رہے۔ جبکہ ہم ابھی بدلائل واضحہ علماء اہل السنہ وشیعہ سے یہ ثابت کریں گے کہ قاتل حسین حضرت یزید ہرگز نہیں بلکہ وہ عراقی تھے جن کی دعوت پر حضرت حسینؓ کوفہ تشریف لے گئے تھے۔جن کو مکر وفریب دے کر قتل کر دیا گیا۔عمر صدیق پر اس تضاد بیانی اور خلط مبحث کے خاتمہ کی ذمہ داری ہے۔ قاتل کوئی ایک ہے یا تو عراقی یا حضرت یزید اور مقرر موصوف دونوں کے قاتل ہونے کے مدعی ہیں جو امر محال ہے۔اجتماع ضدین اسی کو کہتے ہیں۔

حدیث بخاری کے مطابق عراقی ہی قاتلان حسین ہیں

اب ہم حجت تمام کرتے ہوئے حدیث بخاری کی روشنی میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ قاتل حسین حضرت یزید رحمہ اللہ نہیں بلکہ خود عمر صدیق کے مطابق عراقی اور کوفی ہیں نہ کہ شامی (لشکر حضرت یزید)۔ابونعیم نے بیان کیا کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں موجود تھا۔

ان سے ایک شخص نے (حالت احرام میں) مچھر مارنے سے متعلق مسئلہ پر سوال کیا کہ (اس کا کفارہ کیا ہوگا) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ تم کہاں سے ہو؟ اس نے کہا کہ عراق سے، تو صحابئ موصوف نے فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو (کہ مچھر کی جان لینے کے تاوان کا مسئلہ پوچھتا ہے جبکہ اس کے ملک والوں (عراقیوں) نے نواسئہ رسول حضرت حسینؓ کو بے تکلف قتل کر ڈالا۔) میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ یہ دونوں (حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔(صحیح بخاری ۸/۷) قارئین غور فرمائیں کہ خود عمر صدیق کے مطابق (حدیث بخاری کے تناظر میں) قاتلان حسین میں حضرت یزید رحمہ اللہ نہیں بلکہ عراقی اور کوفی ہیں۔ جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دعوت دے کر بلایا پھر قتل کر دیا۔ اس صورت میں عمر صدیق کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ حضرت حسینؓ کو حضرت یزید نے قتل کیا؟ اس روایت کو عمر صدیق نے خود پیش کیا۔

حدیث ام سلمہؓ کی روشنی میں قاتلان حسینؓ عراقی ہی ہیں

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ جب حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو میں نے ام سلمہؓ کو سنا۔ انہوں نے عراقیوں (کوفیوں) پر لعنت فرمائی اور کہا کہ انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، اللہ تعالیٰ انہیں تباہ و برباد کر دے کہ انہوں نے (عراقیوں) نے حسین رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دیا اور ان کو ذلیل کیا۔ ان پر اللہ کی لعنت ہو (فضائل الصحابہ: ۷۸۲/۲ واسنادہ حسن)

اس روایت کو بھی عمر صدیق نے اپنی تقریر میں پیش کیا جس میں حضرت ام سلمہؓ عراقیوں کو ہی قتل حسین کا ذمہ دار قرار دیتی ہیں۔ ذھن نشین رہے کہ اس روایت کی اسناد حسن اور جید ہیں۔ اب یہ عمر صدیق کی ذمہ داری ہے کہ وہ قتل حسینؓ کی ذمہ داری یزید رحمہ اللہ پر ڈالیں گے یا فریبی اور جعل ساز عراقیوں پر جنہوں نے نواسئہ رسول کو قتل کیا؟

سبائی اور شیعی بھی عراقیوں کو قاتل گردانتے ہیں

عراقیوں (کوفیوں) کو صرف اہل السنہ کے علماء ومورخین نے ہی قتل حسینؓ کا ذمہ دار قرار نہیں دیا بلکہ خود شیعوں نے بھی اقرار کیا ہے کہ قتل حسین کی ذمہ داری صرف اور صرف عراقیوں یعنی کوفیوں پر ہی عائد ہوتی ہے کسی اور پر نہیں

چنانچہ مسعودی شیعی ناقل ہے۔" وہ تمام لوگ جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ سے قتال (لڑائی) میں شرکت کی اوران کے خلاف جنگ کی اوران کو قتل کیا۔ یہ سب کے سب خالص اہل کوفہ (عراق) میں سے تھے۔ شام (لشکر حضرت یزید رحمہ اللہ) کا کوئی بھی فرد ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔(مروج الذھب للمسعودی۔ج ۳ص ۷۱) یوں ہی ملا باقر مجلسی شیعی لکھتا ہے کہ "حسین رضی اللہ عنہ کو خالص کوفیوں نے ہی قتل کیا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی شامی موجود نہیں تھا (بحار الانوار، ح ۱۰، ص ۲۳۱)

خاندان اهل بیت کی گواهی که عراقی هی قاتل هیں

ھنگامۂ قتل حسین کے خاتمے کے بعد عمر بن سعد حسین رضی اللہ عنہ کے خاندان والوں کو لے کر جب کوفہ لوٹے اور جب یہ قافلہ اہل بیت کوفہ پہونچا تو خواتین کوفہ باہر نکل کر گریہ وزاری کررہی تھیں۔ یہ دلخراش منظر دیکھ کر حضرت زین العابدین یعنی حضرت علی بن الحسین نے کہا کہ اگر یہ (کوفی عورتیں) رورہی ہیں تو پھر آخر ھم کو کس نے قتل کیا ہے؟ (تاریخ یعقوبی۔ ۲۳۵/۱) العقد لفرید میں بھی ہے کہ جب سکینہ بنت الحسین اپنے شوہر مصعب کے قتل کے بعد کوفہ سے مدینہ کی جانب روانہ ہونے لگیں تو اہل کوفہ (عراقیوں) نے ان کو گھیر لیا اور کہا اے اللہ کے رسول کی بیٹی اللہ تمہارا بھلا کرے۔ اس پر سکینہ بنت حسینؓ نے کہا کہ اللہ تمہارا بھلا نہ کرے تم نے میرے والد (حسینؓ) کو قتل کیا، تم نے میرے دادا علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، تم نے میرے بھائی کو قتل کیا، تم نے میرے چچا (حسن رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا اور تم نے ہی میرے شوہر کو قتل کیا۔

جب میں بچی تھی تو تم نے مجھے یتیم بنادیا اور جب میں بڑی ہوئی تو تم نے مجھے بیوہ بنادیا (العقد الفرید ۲۷/۷)

: ہم عمر صدیق سے مطالبہ کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت سکینہ بنت حسینؓ اور حضرت زین العابدین رحمہ اللہ وغیر ھم کی ان تاریخی شہادتوں کے باوجود بھی' کیا وہ یہی رٹ لگاتے رہیں گے کہ قتل حسینؓ کی ذمہ داری حضرت یزید رحمہ اللہ پر عائد ہوتی ہے؟

حسین رضی الله عنه بھی جانتے تھے که عراقی ان کو قتل کرنے کے درپے هیں

حضرت حسین رضی اللہ عنہ محقق تاریخی روایات کے مطابق خلافت کے حصول کے لئے نہ نکلے تھے بلکہ موصوف عراقی باغیوں کو کنٹرول کر کے امت میں فساد برپا نہ کرنے کی تلقین کے نقطہ نظر سے روانہ ہوئے تھے۔

تحقیقات جدیدہ کا یہ بہت ہی افسوسناک پہلو ہے کہ شیخ زبیر علی زئی' حافظ عمر صدیق' مرزا انجینئر نے تاریخ بنی امیہ کے سلسلے میں ہندو پاک کے عام علماء کے برخلاف غیر منہجی راہ پر گامزن ہیں خلافت یزید، قتل حسین اور حضرت یزید کے امیر لشکر غزوۂ قسطنطنیہ ہونے جیسے مسائل میں ان لوگوں کا طرز شیعیت نواز ہے۔ان میں عمر صدیق اور انجینئر تشدد کی حد تک راہِ حق سے برگشتہ ہیں جو ہندو پاک کے اکثر علماء کے تعلق سے ان مسائل کے تناظر میں' اہانت آمیز کلمات کا استعمال کرتے رہتے ہیں۔عمر صدیق شیخ صلاح الدین یوسف اور شیخ توصیف الرحمٰن جیسے علماء کو بھی اہانت آمیز کلمات سے نوازتے ہیں۔اللہ سے دعا ہے کہ وہ موصوف کو قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔بہر حال میں کہہ رہا تھا کہ حضرت حسینؓ نے تحقیق حال کے لئے نیز عراقیوں کے موقف کو جاننے کے نقطۂ نظر سے مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ فرمایا۔وہاں سے مثبت احوال کی خبر کی بنا پر حسین رضی اللہ عنہ کوفہ روانہ ہو گئے لیکن راستے میں ہی خبر ملی کہ کوفیوں نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے حضرت مسلم بن عقیل کو قتل کر دیا۔ کوفیوں کی غداری کی خبر سن کر حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن وہ کوفی جو حسین رضی اللہ عنہ کو ساتھ لینے آئے تھے اور آپ کے ساتھ موجود تھے۔انہوں نے مسلم بن عقیل کے بھائیوں کو مسلم کے خون کا انتقام لینے کے لئے مشتعل کیا۔اس پر برادران مسلم کہنے لگے کہ جب تک ہم انتقام نہ لے لیں گے، ہرگز واپس نہ جائیں گے۔بھلے ہی ہم بھی قتل کر دئے جائیں (تاریخ طبری ۵/۳۹۷)۔ادھر کوفیوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں اس لئے اگر آپ بذات خود وہاں (کوفہ) پہونچ جائیں تو وہ لوگ آپ کی اطاعت کے لئے ٹوٹ پڑیں گے (طبری ۵/۳۹۸)

کوفیوں کی ان مکاریوں و عیاریوں کی وجہ سے حضرت حسین باوجود واپسی کی چاہت کے واپس نہ ہو سکے اور بادل ناخواستہ سفر کوفہ جاری رکھا اور اس مقام پر پہونچنے کے بعد حسین رضی اللہ عنہ اپنے ارادوں اور منصوبوں کا رخ موڑ دیتے ہیں اور اسی موقف کو اختیار فرماتے ہیں جو موصوف نے مکہ میں اختیار کیا تھا۔قادسیہ کے مقام پر پہونچنے پر آپ کو بعض اعرابیوں سے یہ معلوم ہوا کہ کوفہ کے حالات دگرگوں ہیں اور وہاں جانا خلاف مصلحت ہے۔لہٰذا آپ نے یہاں سے دمشق کا رخ کیا جہاں حضرت یزید بن معاویہ موجود تھے۔ (تاریخ الامم و الرسول و الملوك الطبری ۲۹۹/۳ و اسناده صحيح) یہ قافلہ دمشق کی جانب روانہ ہوا تو آگے چل کر حر بن یزید سے ملاقات ہوئی۔ حسینؓ نے حر سے ان خطوط کے بارے میں ان کو آگاہ کیا۔حر نے دمشق نہ جا کر کوفہ ابن زیاد کے پاس چلنے کا

مشورہ دیا لیکن حسینؓ دمشق جانے پر ہی بضد رہے۔آگے بڑھتے ہوئے کربلا تک جا پہونچے۔کربلا میں حسینؓ کی ملاقات عبیداللہ بن زیاد کے نمائندے عمر بن سعد سے ہوئی جنہوں نے حسینؓ کو روک لیا۔حضرت حسینؓ نے ان کے روبرو تین شرطیں رکھیں کہ ان میں سے کوئی ایک قبول کرلی جائے۔موصوف نے فرمایا کہ یا تو مجھے چھوڑ دو تاکہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں چلا جاؤں یا مجھے سرحد پر بھیج دو تاکہ شہید ہونے تک برسر جہاد رہوں یا پھر مجھے یزید (طبری میں ہے کہ امیر المومنین یزید) کے پاس بھیج دو تاکہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں رکھ دوں۔عمر بن سعد نے یہ تینوں باتیں ابن زیاد کے پاس لکھ کر بھیج دیں (المحاسن والمساوی للبیھقی ص ۲۸، تاریخ الطبری ۳/۳۱۳) یہ پڑھ کر ابن زیاد بول پڑا کہ یہ ایسے شخص کا خط ہے جو امیر المومنین (یزید) کا خیر خواہ اور امت مسلمہ پر مہربان ہے۔ٹھیک ہے میں نے ان کی پیش کش قبول کرلی یعنی یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ کو یزید رحمہ اللہ کے پاس دمشق بھیج دیا جائے۔

عمر صدیق دھیان دیں کہ عراقی قاتل ٹھرے

کوفیوں (عراقیوں) نے دیکھا کہ ابن زیاد کی رضا مندی سے حسین رضی اللہ عنہ امیر المومنین حضرت یزید کے پاس جا رہے ہیں اور یزید رحمہ اللہ یقیناً تمام حالات سے آگاہ ہوں گے کہ کس طرح عراقیوں نے امیر المومنین یزید بن معاویہ سے بغاوت کا راستہ اپنایا۔لہٰذا انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ حسینؓ کو یزید بن معاویہ کے پاس جانے سے روک دیا جائے تاکہ ان کے خطوط خلیفہ اسلام تک نہ پہونچ پائیں۔عراقی باغی چونکہ لشکر حسین میں موجود تھے اور سابقہ چالوں کے تناظر میں قرینِ قیاس ہے کہ یہ لوگ فوجی دستے میں بھی ہوں گے۔لہٰذا ان لوگوں نے وہی کیا جو جنگ جمل میں کیا تھا یعنی ان لوگوں نے سازش کرکے حضرت حسینؓ کے قافلے پر ہی حملہ کردیا۔یہ دیکھ کر فوجی دستے کے مخلص سپاہی فوراً کنارہ کش ہوگئے تاکہ قافلۂ حسینی کا تحفظ کیا جاسکے۔ حر بن یزید نے حملہ آوروں سے خطاب فرمایا کہ اے اہل کوفہ تمہارا برا ہو،تم حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلاتے ہو،جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو تم ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہو۔تم نے پہلے تو ان کی حفاظت کا خیال کیا اور اب تم ان کے قتل پر آمادہ ہو (البدایہ والنہایہ ۸/۱۸۰)۔

حر بن یزید نے یہ الفاظ فوجی دستے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائے تھے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ سبائی (عراقی) فوجی دستے میں چھپے ہوئے تھے جنہوں نے موقع پاکر قافلۂ حسینؓ پر حملہ کردیا۔

جبکہ انہی لوگوں نے حسینؓ کو دعوت دے کر کوفہ بلایا تھا۔ یہ معلوم ہی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ حر بن یزید کو وہ خطوط دکھلا ہی چکے تھے۔خود حضرت حسینؓ نے فرمایا اے اللہ ہمارے اوران کے درمیان فیصلہ فرما دے جنہوں نے ہمیں بلایا تاکہ ہمارے ساتھ تعاون کریں لیکن یہی ہمیں قتل کرنے پر آمادہ ہیں (طبری ۵/۳۸۹)۔

محمد بشیر نذیر کی مورخانہ بصارت

محمد بشیر نذیر صاحب فرماتے ہیں ''اس روایت میں حضرت حسین کے بعض ایسے الفاظ بیان ہوئے ہیں جن سے کچھ اشارہ ملتا ہے کہ اس جنگ کے چھڑنے کے ذمہ دار کون لوگ ہیں۔ دوران جنگ آپ نے اللہ سے فریاد فرمائی اے اللہ ہمارا اوران لوگوں کا انصاف فرما کہ ان لوگوں نے ہماری مدد کے لئے ہم کو بلایا اوراب ہم لوگوں کو قتل کرر ہے ہیں۔ یہ ایسے الفاظ ہیں جن کے مصداق نہ تو عمر بن سعد ہو سکتے ہیں اور نا عبید اللہ بن زیاد اوراس کے ساتھی کیونکہ ان لوگوں نے تو آپ کو کوئی خط نہ لکھا تھا۔ایسا لگتا ہے کہ سرکاری فوج میں وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے خطوط لکھ کر حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی اوراب یہی لوگ حملہ کر کے آپ اورآپ کے ساتھیوں کو شہید کرر ہے تھے'' (سانحہ کربلا' تحریر وتحقیق محمد بشیر نذیر صاحب ماخوذ از محدث فورم ص (۱)۔

طبری ۵/۴۵۲ میں ہے کہ عمر بن سعد رحمہ اللہ بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تحفظ کرنے والوں میں سے تھے جواس صورت حال کو دیکھ کر زاروقطار رور ہے تھے۔عمر بن سعد رحمہ اللہ حسین کی طرف بڑھے۔انہیں دیکھ کر حسینؓ کی بیٹی زینب نے کہا اے عمر بن سعد! کیا حسین رضی اللہ عنہ قتل کردئے جائیں گےاورآپ دیکھتے رہیں گے؟ راوی کہتے ہیں کہ میں عمر بن سعد کے آنسوؤں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کے گالوں اور داڑھی پر بہے جارہے تھے۔ یہ تاریخی تناظراس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ عمر بن سعد حضرت حسین کی حفاظت کرر ہے تھے لیکن کامیاب نہ ہو سکے اسی لئے شہادت حسین رضی اللہ عنہ پر گریہ فرمار ہے تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ

بہرحال جب مقام کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دمشق روانہ ہونے نیز امیر المومنین حضرت یزید

رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا فیصلہ ہوگیا تو سبائی کوفی (عراقی) جو حسینی قافلے اور قافلۂ ابن زیاد میں بھی تھے، انہوں نے خود کے لئے یہ خطرہ محسوس کیا کہ اگر حسین رضی اللہ عنہ امیر المومنین سے مل گئے تو ان کی خیر نہیں ۔تمام راز ہائے سربستہ فاش ہو جائیں گے اور ان کے باغیانہ خطوط پکڑے جائیں گے اور ان پر بغاوت کی فرد جرم عائد ہو جائے گی ۔ لہٰذا انہوں نے ھنگامہ کھڑا کر کے حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت یزید کے پاس دمشق جانے سے روک دیا بلکہ حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے پر حملہ کر دیا اور ان باغیانہ خطوط جو حضرت حسین کے خیمے میں تھے، کو آگ لگا دی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر ڈالا اور پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔

پیچھے ہم نے دو شیعہ مورخین کے حوالوں سے یہ ثابت کیا تھا کہ یہ بھاگنے والے سب عراقی (کوفی) ہی تھے۔

عراقیوں کی منافقت اور قاتل ؟

عراقیوں کی عیاری و مکاری کی تمام تر تفصیلات جو کتب احادیث اور کتب تواریخ سے قارئین نے ملاحظہ فرمائیں، کی روشنی میں کیا کوئی ذرہ برابر بھی یقین کر سکتا ہے کہ قتل حسین رضی اللہ عنہ میں حضرت یزید کا ادنیٰ سا بھی ہاتھ تھا؟ ذھن نشین رہے کہ خود عمر صدیق نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت پیش کر کے خود دعویٰ کیا کہ قاتلان حسین عراقی تھے۔ پھر اس کے بعد پوری تقریر میں مورد الزام حضرت یزید کو قرار دیا ہے۔ حیرت ہے موصوف پر! لازم ہے کہ وہ اس تضاد صریح کو رفع کرنے کی فکر فرمائیں۔

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کی تعریف یزید کو عمر صدیق نے گپ کہا

حافظ عمر صدیق آگے فرماتے ہیں'' کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ یزید قتل حسینؓ سے بری ہے اور اپنے اس موقف پر وہ کچھ پیش کرتے ہیں۔ پہلی چیز کہ محمد بن حنفیہ جو حسین رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی ہیں انہوں نے یزید کی تعریف کی ہے۔ یہ بات بالکل گپ ہے۔ محمد بن حنفیہ کا بھائی مظلوم شہید کر دیا جائے۔ اس کے سر کو تخت پر ڈال کر گھمایا جائے اور قاتل اس کے چہرے کی توہین کرے، وہ چہرہ جس چہرے کو میرے پیغمبر صل اللہ علیہ وسلم نے بوسوں سے مزین کیا۔ لکڑیاں مارتا تھا ظالم اس پہ۔ حضرات یہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اللہ کی قسم ہے کبھی نہیں ہو سکتا کہ محمد بن حنفیہ کبھی تعریف کریں۔''

جــواب : عمر صدیق روایات تاریخیہ کو بغیر حوالہ بیان کرتے ہیں۔موصوف نے اس روایت کو گپ بتایا ہے جبکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷۴) نے امام مدائنی کی روایت البدایہ والنھایہ میں سند کے ساتھ نقل فرمائی ہے۔بخوف طوالت ہم اس روایت کا اردو ترجمہ اپنی ہی کتاب ضرب شدید بر مذمت یزید سے نقل کرتے ہیں۔حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں'' عبد اللہ بن مطیع اور ان کے رفقائے کار حضرت علی کے صاحب زادے محمد بن حنفیہ کے پاس گئے اور انہیں یزید کی بیعت توڑ دینے پر رضا مند کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔اس پر ابن مطیع نے کہا'' یزید شراب نوشی' ترک نماز اور کتاب اللہ کے حکم سے تجاوز کرتا ہے۔محمد بن حنفیہ نے کہا تم جن باتوں کا ذکر کرتے ہو میں نے ان میں سے کوئی چیز اس میں نہیں دیکھی۔میں ان کے پاس گیا ہوں۔میرا وہاں قیام بھی رہا۔ میں نے اس کو ہمیشہ نماز کا پابند' خیر کا متلاشی' علم دین کا طالب اور سنت کا ہمیشہ پاسدار پایا وہ کہنے لگے کہ وہ یہ سب کچھ محض آپ کے دکھلاوے کے لئے کرتا ہوگا۔ابن حنفیہ نے جواباً کہا: کیا اس کو مجھ سے کوئی خوف یا لالچ تھا جس کی بنا پر اس نے میرے سامنے ایسا کیا؟ تم جو اس کی شراب نوشی کا ذکر کرتے ہو تو کیا تم میں سے کسی نے خود اس کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ اگر یہ سب اس نے تمہارے سامنے کیا ہے تو تم بھی اس کے ساتھ اس کام میں شریک رہے ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو تم اس چیز سے متعلق کیا گواہی دے سکتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔وہ کہنے لگے یہ بات ہمارے نزدیک صحیح ہے اگر چہ ہم میں سے کسی نے اسے ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ابن حنفیہ نے فرمایا کہ اللہ تو اس بات کو تسلیم نہیں کرتا وہ تو فرماتا ہے اما من شہد بالحق وھم یعلمون یعنی گواہی ان ہی لوگوں کی معتبر ہے جن کو اس بات کا ذاتی علم ہو۔جاؤ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔وہ کہنے لگے کہ شاید یہ بات آپ کو ناگوار گزرتی ہے کہ یہ معاملہ آپ کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں رہے۔اگر ایسا ہے تو قیامت تک ہم آپ کے سپرد کئے دیتے ہیں۔برادرِ حسین نے کہا کہ تم جن پر قتال وجدال کر رہے ہو تو میں سرے سے اس کو جائز ہی نہیں سمجھتا۔مجھے کسی کے پیچھے لگنے یا کسی کو اپنے پیچھے لگانے کی ضرورت نہیں۔وہ کہنے لگے کہ آپ اس سے پہلے اپنے والد کے ساتھ مل کر جو جنگ کر چکے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ تم پہلے میرے باپ جیسا آدمی اور انہوں نے جن سے جنگ کی ان جیسے افراد لا کر دکھاؤ پھر میں بھی تمہارے ساتھ مل کر جنگ کرلوں گا۔وہ کہنے لگے کہ آپ کے صاحب زادگان ابوالقاسم اور قاسم ہی کو ہمارے حوالے کر دیں۔انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ان کو اس طرح کا حکم دوں تو میں خود نہ تمہارے ساتھ اس کام میں شریک ہو جاؤں؟ وہ کہنے لگے تو اچھا آپ صرف ہمارے ساتھ چل کر لوگوں کو آمادۂ قتال کر دیں' آپ نے فرمایا سبحان اللہ! جس کام کو میں خود ناپسند کرتا ہوں

اور اس سے دور ہوں تو لوگوں کو اس کا حکم کیسے دے سکتا ہوں؟ اگر میں ایسا کروں تو میں اللہ کے معاملے میں اس کے بندوں کا خیر خواہ نہیں بلکہ بدخواہ ہوں گا۔ وہ کہنے لگے ہم پھر آپ کو مجبور کریں گے۔ انہوں نے کہا میں اس وقت بھی لوگوں سے یہی کہوں گا کہ اللہ سے ڈرو اور مخلوق کی رضا (چاہت) کی خاطر خالق کو ناراض نہ کرو (البدایہ والنھایہ)۔ اسی روایت کو امام ذھبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸) نے بھی سند کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں ہے کہ عبداللہ بن مطیع نے محمد بن حنفیہ کے سامنے یزید پر شراب پینے' نماز چھوڑنے اور کتاب اللہ کے حکم سے تجاوز کرنے جیسے الزام لگائے۔ لیکن امام موصوف نے فرمایا کہ انہوں نے تو اس قسم کے کام اس کے نہیں دیکھے اور یہ کہ انہوں نے اس کے ہاں قیام بھی کیا ہے۔ تو اس کو نماز کا پابند' خیر کا طالب اور دینی مسائل پوچھنے والا پایا ہے" (تاریخ الاسلام للذھبی ت ترمذی ۵/۲۷۴)

اس روایت کو بیان کرنے والے المدائنی بالاتفاق صاحب تصنیف وثقہ تھے العلامہ الحافظ الصادق ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن أبی سیف المدائنی الاخباری۔ نزل بغداد وصنف التصانیف۔ قال احمد بن أبی خیثمہ: کان ابی ومصعب الزبیری' ویحیٰی بن معین یجلسون بالعشیات علی باب مصعب، فمر رجل لیلۃ علی حمار فارہ وبزۃ حسنۃ، فسلم، وخص مسئلۃ یحیی بن معین، فقالہ یحیٰی: یا أبا الحسن، الیٰ این؟ قال: الیٰ ھذا الکریم الذی یملأ کمی دنانیر ودراھم، اسحاق بن ابراھیم الموصلی. فلما ولی، قال یحیٰی: ثقۃٌ ثقۃ ثقۃ۔ فسأ لت أبی: من ھذا؟ قال: قال ھذا المدائنی

انٹرنیٹ میں ابوعمر صدیق تابش علی عثمانی نے عمر صدیق کی اس تقریر کے جواب میں تحریر کئے گئے مضمون میں جب اس روایت کو پیش کیا تو حافظ عمر صدیق کی طرف سے ان کے برادران نے فیس بک پر یہ جواب دیا کہ اس روایت کی اصل موجود نہیں ہے یعنی امام ذھبی اور امام ابن کثیر رحمھما اللہ نے مدائنی کی کس کتاب سے یہ نقل کی لیکن ابوعمر صدیق تابش علی عثمانی نے اپنے نوٹ میں لکھا کہ یہ اصول حافظ عمر صدیق کے اپنے خلاف ہے کیونکہ حافظ موصوف نے آگے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ایک شخص کے یزید کو امیر المومنین کہنے پر ۲۰ کوڑے مارنے کی روایت بیان کی ہے۔ اس کی ایک علت بھی یہی ہے کہ اس کی اصل اور مکمل سند نامعلوم ہے۔ لہٰذا اصول ایک ہونا چاہیئے۔

اگر حافظ عمر صدیق کے نزدیک یہ اس وجہ سے ضعیف ہے تو پھر وہ بیان کرنا مناسب نہ تھا اور یہ اپنے اصولوں سے ناانصافی ہے نیٹ کے مئولف کا بیان ختم ہو۔ میں کہتا ہوں کہ عمر صدیق کا یہ بیان کرنا کہ محمد بن حنفیہ کا بھائی حسین مظلوم شہید کر دیا جائے۔ اس کے سر کو تخت پر ڈال کر پھرایا جائے' گھمایا جائے اور قاتل اس کے چہرے کی توہین کرے۔ ہم کہتے ہیں کہ سر کو تخت پر ڈال کر کب گھمایا گیا تھا اور وہ لوگ کون تھے آیا اس کا کوئی حوالہ دیا گیا؟ اور یہ جو کہا کہ ''اور قاتل اس کے چہرے کی توہین کرے'' تو عمر صدیق جواب دیں اس لئے کہ حضرت یزید کا چہرۂ نواسۂ رسول کی توہین کرنا ثابت ہی نہیں۔ پھر دوسروں سے روایت کی اصل کا مطالبہ کرنا اور خود بے پر کی اڑانے کا کیا مطلب ہے؟

کیا زین العابدین نے حضرت یزید کو امیر المومنین کہا؟

گذشتہ بیان کے بعد عمر صدیق فرماتے ہیں کہ ''دوسری بات کہ زین العابدین نے یزید کو امیر المومنین کہا ہے۔ اس روایت کے دو راوی ہیں۔ واقدی، وہ بھی کذاب (جھوٹا) اس کا استاذ وہ بھی کذاب اور اس روایت کو بیان کرنے والا اس سے بڑا کذاب۔''

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جناب عمر صدیق صاحب نے بنو امیہ اور اہل بیت کے باہمی تعلقات پر ٹھوس مطالعہ نہیں کیا ورنہ ایسی ادنیٰ بات کرنے کی جسارت بے جا نہ کرتے۔ مقرر موصوف کو حضرت یزید کے لئے لفظ امیر المومنین کے استعمال پر تعجب ہے۔ حیرت ہے جو خلیفہ چار، پونے چار سال تک زمام خلافت اپنے ہاتھ میں رکھے اور جس کو تمام صحابہ نے اتفاق رائے سے پہلے ولیعہد سلطنت پھر امیر لمومنین منتخب کیا ہو'' بلکہ تقریباً چار سال تک جس کا عہد خلافت وسیع ہو اور جو غازی غزوہ قسطنطنیہ ہو اور نبی اکرم کی زبان فیض ترجمان سے مغفور لھم کا تمغہ پا چکا ہو اور جس کو مورخین نے اسی لفظ امیر المومنین سے ظاہر کیا ہو۔ اسی لفظ پر عمر صدیق کو اتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ اگر ہم حضرت یزید کے لئے لفظ امیر المومنین کے استعمال پر لکھنے کا ارادہ کریں تو ان شاء اللہ ایک کتاب تیار ہو جائے۔ لیکن فی الحال اجمالی طور پر کچھ اس سلسلے میں عرض کرنا ہے۔

عمر صدیق طبقات ابن سعد کی روایت کا رونا رو رہے ہیں اور اس کے راویوں میں ضعف نکال رہے ہیں جبکہ ایک نہیں درجنوں تاریخی کتب میں امیر موصوف کے لئے لفظ امیر المومنین استعمال کیا گیا ہے۔ عمر صدیق اس روایت کے راوی واقدی اور ابن سعد دونوں کو کذاب ثابت کرنے پر تلے ہیں۔ جبکہ خود کذاب اعظم ابو مخنف شیعی کی روایات باطلہ سے ہی مذمت یزید بیان کرتے ہیں۔

لیکن عمر صدیق کا خیال ہے کہ زین العابدین حضرت یزید کے سخت دشمن تھےاور ان کوامیر المومنین بھی نہ کہہ سکتے تھے۔ لیکن حضرت زین العابدین یعنی علی بن حسینؓ کی پوری زندگی پر اگر طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو موصوف نے کبھی بھی خلفاء اور امراء بنی امیہ کے خلاف نہ بغاوت کی اور نہ کبھی بغاوت میں کسی قسم کی شرکت کی۔ اس سلسلے میں ہم نے اپنی کتاب ضرب شدید بر مذمت یزید بن معاویہؓ میں کچھ تحریر کیا ہے جو ابو زید ضمیر پونہ کی تقریر کے رد میں لکھی گئی ہے۔

کچھ حضرت زین العابدین کے بارے میں

مورخین کے مطابق حضرت علی بن حسین زین العابدین رحمہ اللہ اپنے جذبات، کردار نیز ذمہ داریوں میں اپنے عم بزرگوار حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کافی مشابہ تھے۔ سیاسی امور میں موصوف نے کسی بھی مداھنت سے کام نہ لیا۔ آپ نے اپنے خلاف سبائیوں کے تمام منصوبوں کو ناکام بنا دیا۔ اسی لئے شیعہ حضرات ان کا ادب و احترام نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ موصوف نے اموی خلفاء سے جو بیعت کی تھی وہ صرف خود کو سیاسی طور پر محفوظ کرنے کے نقطۂ نظر سے تھی۔ ویسے فی الاصل وہ بنوامیہ کے خلاف دل میں پرخاش رکھتے تھے۔ خود شیعوں نے ان کے خلاف روایات وضع کی ہیں تاکہ آپ کی عزیمت کو داغدار کیا جا سکے۔ لیکن واقعات کا تجزیہ حق و باطل کو ممیّز کر دیتا ہے۔ زین العابدین رحمہ اللہ ہمیشہ جماعت سے وابستہ رہے اور تفرقہ کی سرگرمیوں سے الگ تھلگ رہے۔

میدان کربلا میں آپ از اول تا آخر تمام واقعات کے عینی شاہد رہے۔ جس وقت آپ کو دمشق لے جایا گیا تو آپ کے ساتھ کمال درجے کا حسن اخلاق حکومت کی جانب سے پیش کیا گیا۔ آپ اپنے تینوں حقیقی بھائیوں حضرت محمد و جعفر و عمر بنو الحسین رضی اللہ عنہ اور تین چچیرے بھائی حسن و عمر و زید بنو الحسین رضی اللہ عنہم کے ساتھ دمشق میں موجود تھے اور ان سب نے یزید سے بیعت فرمائی اور آخر تک اس پر ثابت قدم رہے۔ پھر جب بعض اہل مدینہ نے امیر المومنین حضرت یزید کے خلاف بغاوت کی اور بنی امیہ کے تمام افراد کو خارج البلد (شہر بدر) کر دیا گیا تو دوسرے ہاشمیوں، قریشیوں اور انصاریوں کی طرح آپ بھی اس بغاوت سے الگ رہے (ص ۲۱۸ البدایہ والنہایہ)۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ نہ صرف آپ الگ رہے بلکہ بارگاہِ خلافت کو اپنے موقف سے بذریعہ تحریر مطلع کر دیا۔

امیر المومنین یزید بن معاویہؓ نے جب مدینہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے یک معمر صحابی امیر مسلم بن عقبہ المری کی سرکردگی میں فوجی دستہ روانہ کیا تھا اس وقت موصوف نے تقریر بھی کی تھی اور یہ تین شعر فی البدیہ بھی کہے تھے (انساب الاشراف بلاذری جلد۴) جن میں شراب پینے کی تردید بھی کی گئی تھی۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے کہ یعنی جب فوج روانہ ہوکر وادی القریٰ پہنچ جائے تو ابوبکر (عبداللہ بن زبیرؓ کی کنیت) سے کہہ دینا کہ کیا تم اس کو ایک شرابی کی جماعت سمجھتے ہو یا اس ہوشمند کی جو (بغاوت کرنے کے لئے) فوجیں بھیجتا ہے۔ افسوس اور تعجب ہے اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے کے لئے) پر جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے۔ اور جھوٹی بات کو سچی بیان کرتا ہے۔ یہ اشعار پڑھ کر تقریر کی اور سردار فوج کو نصیحت کی اور حضرت زین العابدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی خاص ہدایت کی اور فرمایا "دیکھو تم علی بن حسین (زین العابدین) سے مراعات کے ساتھ پیش آنا، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، توقیر کے ساتھ بٹھانا اس لئے کہ وہ اس مخالفت (بغاوت) سے علیحدہ ہیں جو ان لوگوں نے کی ہے۔ ان کی تحریر میرے پاس آ گئی ہے۔ (طبری ج ۷ ص ۲۰) بلاذری نے مسلم بن عقبہ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے یعنی امیر المومنین (یزید) نے (زین العابدین) کے ساتھ نیکی اور عزت و اکرام کا مجھے حکم دیا ہے۔ حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے یہ سن کر امیر المومنین حضرت یزید کے حسن سلوک پر خوشنودی کا اظہار فرمایا، ان کو دعائیں دیں اور کہا وصلی اللہ امیر المومنین یعنی اللہ تعالیٰ امیر المومنین (یزید) کو اپنی رحمت میں ڈھانکے (طبری حوالہ مذکور)۔ طبقات ابن سعد میں بھی یہی روایت آپ کے صاحبزادے حضرت ابو جعفر محمد (الباقر) سے ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے "یحییٰ بن شبل نے ابوجعفر (محمد الباقر) سے واقعہ حرّہ سے متعلق دریافت کیا کہ کیا ان کے گھرانے کا کوئی فرد لڑنے نکلا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ نہ خاندان ابوطالب میں سے کوئی فرد نکلا تھا اور نہ عبدالمطلب (بنو ہاشم) کے گھرانے سے کوئی فرد لڑنے نکلا تھا۔ سب اپنے اپنے گھر میں گوشہ گیر رہے۔

جب (مسلم بن عقبہ) آئے اور قتال کر کے وادئ عتیق میں ٹھہرے تو انہوں نے میرے (الباقر) والد (زین العابدین) کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا وہ مدینہ میں موجود ہیں؟ تو ان کو جواب دیا گیا کہ ہاں موجود ہیں تو انہوں نے کہ کہ کیا بات ہے میں ان کو نہیں دیکھتا۔ اُن کے پوچھنے پر جب میرے والد کو اس کی خبر لگی تو وہ ان کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ابو ہاشم عبداللہ اور حسن فرزندان محمد بن علی (محمد بن حنفیہ) بھی تھے۔ مسرف

(مسلم) نے جب میرے والد (زین العابدین) کو دیکھا تو خوش آمدید کہا اور اپنے برابر تخت پر جگہ دی۔ پھر میرے والد سے پوچھا کہ میرے بعد آپ کیسے رہے؟ انہوں نے اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا۔ مسرف (مسلم) نے کہا کہ امیر المومنین (یزید) نے آپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا مجھے حکم دیا ہے تو میرے والد (زین العابدین) نے کہا وصلی اللہ امیر المومنین یعنی اللہ امیر المومنین (یزید) کو اپنی رحمت میں سمیٹ لے (طبقات ابن سعد)۔ حضرت باقر کی اس روایت کو الامامتہ والسیاسہ کے غالی شیعی مورخ نے بیان کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی یزید کو امیر المومنین کہتے ہیں۔ اس عبارت کو میں نے اپنی کتاب ضرب شدید میں منہاج السنہ سے نقل کیا ہے۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں ''یزید کو امام وخلیفہ (امیر المومنین) کہنے سے یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے زمانہ (۶۱ ھ تا ۶۴ ھ) میں ایک با اختیار حکمران تھے۔ صاحب سیف تھے، طاقتور تھے، عزل ونصب کرتے تھے، دیتے لیتے تھے۔ اپنے احکام کو جاری کرنے کا اقتدار رکھتے تھے۔ حدود شرعیہ قائم کرتے تھے، کافروں سے جہاد کرتے تھے اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے انکار کرنا ناممکن ہے۔ یزید کے صاحب اختیار حکمران ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کردے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حکمران نہ تھے یا قیصر وکسریٰ نے بھی حکومت نہیں کی'' منہاج السنہ) یوں ہی بعد کے متعدد مورخین نے حضرت یزید کو امیر المومنین کہا ہے۔ جیسے ابن حزم نے جمہرۃ الانساب میں بھی یہی کہا ہے۔ ایسے ہی حافظ ذھبی نے فرمایا کہ یحییٰ بن بکیر نے حضرت ابوالحارث اللیث بن سعد الفہمی کا ایک قول نقل کیا ہے۔ موصوف نے فرمایا کہ امیر المومنین یزید کا فلاں تاریخ میں انتقال ہوا (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۶۱) قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ لیث رحمہ اللہ ان کو (یزید کو) اس وقت بھی امیر المومنین کہتے تھے

جب ان کی حکومت چلی گئی اور ان کی سلطنت جاتی رہی تھی۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان کی وفات کے حال میں ان کی سیرت کا تفصیلاً ذکر کرتے ہوئے ان کا لقب اس طرح لکھا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۶)

ربیبئہ رسول صل اللہ علیہ وسلم کی بنی امیہ کی وفاداری

عمر صدیق ضعیف روایات کے ذریعہ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اہل بیت رسول کو خاندان

بنی امیہ سے شدید نفرت تھی جس طرح یہ کہا کہ محمد بن حنفیہ حضرت یزید کی تعریف توصیف کر ہی نہیں سکتے جس کو ہم نے بدلائل ثابت کیا جو پیچھے گذرا۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرہ کے دن زینب ربیبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بیٹے قتل کر دئے گئے۔ ان دونوں کو ان کے پاس لایا گیا تو انہوں نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان دونوں بیٹوں کی موت سے مجھ پر کتنی سخت مصیبت نازل ہوئی ہے اور میرے اس بیٹے کی مصیبت تو میرے اس دوسرے بیٹے کی مصیبت سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ اس نے لڑائی میں حصہ لیا اور قتل کیا گیا۔ میں اس کے برے خاتمے سے ڈرتی ہوں لیکن میرے اس دوسرے بیٹے نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا پھر بھی قتل کیا گیا ۔ مجھے اس کے بارے میں اچھی امید ہے (تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۲۳۹ اسنادہ حسن) عمر صدیق غور کریں کہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی اپنے اس بیٹے کی موت کو ایک مصیبت قرار دے رہی تھی اور اس کے سوء خاتمہ سے ڈر رہی تھی جو حضرت یزید کے خلاف بغاوت کر کے بلوائیوں کا ساتھ دیتے ہوئے مارا گیا۔ لیکن مقرر موصوف یہی سمجھتے ہیں کہ اہل بیت رسول امیر المومنین حضرت یزید کے حامی و ناصر ہو ہی نہیں سکتے !

خاندان بنی ہاشم کا لشکر یزید کا اکرام

حضرت زین العابدین حکومت بنی امیہ کے شدید حامی و روفادار تھے۔ درج ذیل طبری کی ایک شیعی راوی سے مروی روایت ہے لیکن اس راوی نے بھی اس روایت کو چھپایا نہیں بلکہ نقل کیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ شیعی راوی یہ ثابت کرتا کہ زین العابدین مخالف یزید تھے لیکن درج ذیل روایت پڑھیں اور محظوظ ہوں ۔ خلافت کا فوجی دستہ دمشق جاتے وقت جب مدینہ منورہ سے گزرا تو حضرت زین العابدین ان کے گھوڑوں کے لئے دانہ، چارہ لے کر آئے۔ طبری میں ہے

کہ علی بن الحسین رحمہ اللہ امیر حصین بن نمیر سردار لشکر کے استقبال کے لئے اپنے ساتھ جو اور چارہ لے کر نکلے انہوں نے حصین کو کو سلام عرض کیا اور کہا کہ میرے ساتھ دانہ، چارہ ہے۔ اپنے گھوڑوں کے لئے قبول فرمائیں ۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور حکم دیا کہ ان سے دانہ و چارہ لے لو (طبری جلد ۷ ص ۱۷)۔

اس روایت کو میں نے اپنی کتاب ضرب شدید میں نقل کیا ہے۔ طبری کی اس روایت سے کیا یہ

ثابت نہیں ہوتا کہ داستان حرہ کے واقعات وضعی اور جعلی ہیں۔حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے یہ دانہ وچارہ اس وقت لا کر دیا جب کہ حضرت یزید کا انتقال ہو چکا تھا۔اگر مظالم کربلا وحرہ میں ادنیٰ سی بھی صداقت ہوتی تو یہ ہاشمی بزرگ شخصیت لشکر یزید رحمہ اللہ کا اتنا شاندار استقبال کیوں کرتی ؟ عمر صدیق غور کریں وہ کہاں تک خاندان بنی ہاشم کی نفرت حدیث و تاریخ سے ثابت کریں گے ۔تمام کتب احادیث وتواریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہیں جن کا احاطہ محال ہے۔ہم اتنے پر بس کرتے ہیں اسلئے کہ ابھی دوسری خرافات کی خبر لینا باقی ہے۔

کیا صحابہ سے لے کر آج کے اہلحدیث سب یزید سے ناراض ہیں ؟

عمر صدیق فرماتے ہیں'' صحابہ سے لے کر آج تک کے اہلحدیث کے جتنے بھی ائمہ اور محدثین ہیں ۔سب کے سب یزید سے ناراض ہیں ۔'' یہ بیان عمر صدیق کی گپ ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں ۔اس کی حقیقت یہ ہے کہ شیعی راوی لوط بن یحییٰ یعنی ابومخنف کی طبری میں بیان کردہ روایات سے قبل شیعوں کی وضعی روایات زیب داستاں کے لئے ابھی معرض وجود میں نہ آئی تھیں ۔ اسی لئے تیسری صدی ہجری یعنی طبری سے قبل خیر القرون میں حضرت یزید بن معاویہ کی مخالفت کا کوئی اثر نہ تھا۔حتیٰ کہ قتل حسین کے بعد اور واقعہ حرہ وحصار مکہ کے بعد بھی عوام میں حضرت یزید کی مخالفت کا ماحول پیدا نہ ہوا تھا۔اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آخر تین سال تک مدینہ کے عوام کے دلوں میں جذبہ انتقام خون حسین کیوں نہ پیدا ہوا۔وجہ یہی ہے کہ اس وقت شیعوں کی تاریخی روایات مولف و مدون نہ ہوئی تھیں اور ابھی شیعیت نے اپنے بال و پر منظّم طور پر نہ پھیلائے تھے۔ وہ تو بعض اہل مدینہ نے حضرت یزید کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے مدینہ کے عوام میں بغاوت کا ماحول پیدا کیا۔ورنہ یہ خونیں واقعات معرض ظہور میں نہ آتے ۔پھر شیعیت درجہ بہ درجہ مہذب و مدون ہوئی ۔اس کا مذہبی نظام پیدا ہوا۔ان کی احادیث جمع کی گئیں

اصول وضع ہوئے اور پھر سبائی سازش کے نتیجے میں شیعوں نے ہماری کتب حدیث وکتب تواریخ میں نفوذ و دخول کیا جس کے نتیجے میں ہمارا ذخیرہ احادیث وسیر وتواریخ آلودہ ہوا۔پھر نقل درنقل کے ذریعے ہماری تاریخ متاثر اور آلودہ ہوتی گئی پھر متقدمین کا دورختم ہونے کے بعد علماء متاخرین آئے اوران میں سے متعدد علماء و

محققین منفی طور پر شیعیت زدہ ہو گئے۔ یہ سب دراصل سبائی فتنہ سامانی کے زیر اثر منظّم طور پر ہوا۔ جب جاگے تو بہت دیر ہو چکی تھی لیکن بحمد اللہ تعالیٰ اب ہم بیدار ہو چکے ہیں اوران شاء اللہ آنے والے وقتوں میں ہم شیعیت زدہ علماء ومقررین کا صحیح علاج کرسکیں گے۔اس میں شک نہیں کہ بعض علماء اہلحدیث شیعیت کے زیر اثر منہجی طور پر برگشتہ ہوئے ہیں لیکن وہ دال میں نمک کے بقدر ہیں۔ ہماری معلومات کی حد تک ہندوستان میں ایک بھی اہلحدیث ایسا نہ تھا جو یزید رحمہ اللہ اور بنی امیہ کے تعلق سے شیعی نقطۂ نظر سے متاثر ہو۔ممبئ میں یہ پہلی بار ہوا کہ پونہ کے ابوزید ضمیر نے حضرت یزید رحمہ اللہ سے متعلق اس قدر منفی نظریات کا اظہار کیا۔

ماضی قریب میں قاضی سلیمان منصور پوری کی مشہور زمانہ کتاب رحمتہ للعالمین میں کسی ضمن میں یزید پلید لفظ کا استعمال کیا گیا ہے اور مولانا داوٗد راز کی شرح بخاری اردو میں بھی ٦٠ ہجری میں بچوں کی حکومت والی حدیث کے ضمن میں حضرت یزید کو اس کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔ان دو مثالوں کے علاوہ اور ایک ابوزید ضمیر کی مثال کے سوا میری معلومات میں کوئی تیسرا نام نہیں اور ابوزید ضمیر بھی اگر متاثرین میں ہیں تو وہ بھی غالباً پاکستانی عالم حافظ زبیر علی ئی کی وجہ سے۔
عمر صدیق صاحب بتائیں کہ ان کے چند احباب کے علاوہ اور کون اہلحدیث علماء ہیں جو حضرت یزید اور بنوامیہ کے بارے میں منفی فکر کے حاملین میں سے ہیں۔ پھر یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ اہلحدیث کے تمام ائمہ ومحدثین یزید سے ناراض ہیں اور جو ناراض تھے وہ مرحومین میں ہو چکے۔اگر آج ہوتے تو ان کو صحیح کر دیا جاتا جس طرح ہم آپ کو صحیح کر رہے ہیں۔آپ اپنی تقریر کی کمزوری محسوس کیجئے اور ہمارے دلائل کو ٹھنڈے دل سے زیر غور لائیے۔ان شاء اللہ راہیاب ہوں گے۔

حضرت یزید تابعی تھے اور صحابہ کے منتخب کردہ

عمر صدیق آگے فرماتے ہیں کہ ” کہتے ہیں یزید جو ہے وہ تابعی تھا۔آدمی ظالم ہو، قاتل ہو، کذاب ہو، فاسق ہو، اس کے اندر فسق وفجور پایا جائے تو س کے لئے تابعی ہونا یہ عزت کا باعث نہیں۔ یہ اللہ کی مشیئت

ہے کہ اس کی گرفت کرے یا اس کو معاف کرے۔تابعین پر جرح (ایک جملہ جھوٹ گیا) بڑی بڑی شدید جرحین ہیں علماء وطلاب اس کو بخوبی جانتے ہیں۔''

عمر صدیق کس بے باکی سے صحابی رسول حضرت امیر معاویہ کے فرزندار جمند امیر لمومنین حضرت یزید رحمہ اللہ کو ظالم' فاسق' قاتل اور کذاب جیسی گالیاں دے رہے ہیں۔یہ گالیاں دے کر وہ حضرت یزید بن معاویہؓ کی نہیں بلکہ خود اپنی حیثیت متعین کرر ہے ہیں۔آسمان پر تھوکیں گے منہ پر گریگا۔آپ بھونکیں گے تو لوگ آپ کو انسان نہیں کچھ اور کہین گے۔عمر صدیق آپ یہ بھول جاتے ہیں کہ وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے دس سال قبل دنیا کے سب سے اچھے انسانوں یعنی صحابہ کرام نے یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی پھر وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ اور پوری ملت اسلامیہ نے حضرت یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔

پھر چار سال تک حضرت یزید بن معاویہ کا عہد خلافت چلا۔تمام امت نے آپ کے ساتھ سیاست مین تعاون فرمایا' ان کے ساتھ جہاد کیا۔حج فرمایا۔امور خلافت کو انجام دیا۔ان کو امیر المومنین تسلیم کیا اور یہ وہ لوگ تھے جو دنیا کے سب سے اچھے انسان تھے۔ان لوگوں کی پسند کو اتنا گرا کر پیش کرنا اور ور وہ بھی بے دلیل! میں کہتا ہوں کہ کیا وہ واقعتہ تابعی نہیں؟ صحابی رسول کے فرزند نہیں؟ امیر المومنین نہیں ؟اور کیا سب نے ان کو امیر المومنین تسلیم نہیں کیا؟ پھر آپ کس حق کی بنا پر ان کے حقوق کی پامالی کرر ہے ہیں؟ آپ کی مثال بھی مدینے کے باغیوں جیسی ہے یعنی آپ اسلامی حکومت کے آدمی نہیں بلکہ سبائی اور بلوائی ہیں۔اگر اس دور میں پیدا ہوتے تو حرہ کا مزہ چکھتے۔ایسی یاوہ گوئی سے توبہ کریں۔زیادہ غرور اچھا نہیں۔

یہ کتاب آپ کو اپنی حیثیت کی یاد دلائے گی ان شاء اللہ۔آپ کا وزن گھٹانے کو یہ کافی ہے۔ان شاء اللہ آئندہ آپ ایسی گمراہ کن حرکت سے محفوظ رہیں گے۔

رہی بات فسق و فجور یزید رحمہ اللہ کی تو سطور گشتہ میں ہم محمد بن حنفیہ کی البدایہ والنھایہ کی وہ طویل روایت پیش کر آئے ہیں جس میں عبداللہ بن مطیع رحمہ اللہ نے حضرت محمد بن حنفیہ

سے یزید کی مذمت بیان کی اور موصوف نے مدینہ کے وفد کو دلائل کے ذریعہ ناکوں چنے چبوادئے اور یزید کی پارسائی کو ثابت کیا۔ منہاج السنہ اور مجموع الفتاویٰ میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید رحمہ اللہ کے فسق و فجور کے تعلق سے وارد روایات کو خرافات میں شمار کروایا ہے۔ یوں ہی حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تاریخ البدایہ والنھایہ میں تفصیل سے حضرت یزید کے فسق و فجور کی روایات کو غلط قرار دیا ہے۔ ابوزید ضمیر کی تقریر کے خلاف تحریر کی گئی اپنی کتاب ضرب شدید بر مذمت یزید بن معاویہ میں ہم اس عنوان پر جو لکھ چکے ہیں وہ مطالعہ فرمائیں۔ نیز یہ کتاب بھی ملاحظہ فرمائیں۔

رہی یہ بات جو آپ نے اسی عبارت میں بیان کی ہے کہ اللہ چاہے تو معاف کردے چاہے تو گرفت کرے۔ تو سن لیں کہ حدیث غزوۂ قسطنطنیہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو مغفور اور جنتی قرار دے چکا ہے اور محدثین و مورخین نے حضرت یزید کو مرحوم و مغفور قرار دیا لیکن آپ ہیں کہ منہ میں نیبو چوس کر بیٹھے ہیں۔ تھوکئے پانی پئیں۔ ذائقہ ٹھیک کریں خوش رہیں۔ سبائی نہ بنیں اسلامی حکومت کے آدمی بنیں۔ حرہ کا باغی بننا اچھا نہیں۔ انجام بربادی ہوتا ہے۔ دنیا بھی خراب اور آخرت بھی برباد۔

امیر لشکر غزوئہ قسطنطنیہ کیا یزید رحمہ اللہ ہیں؟

اس کے بعد عمر صدیق فرماتے ہیں ”لیکن جب نبی پاک نے کہہ دیا اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم بخاری کتاب الجھاد۔۔ میں روایت موجود ہے تو یزید جو ہے یہ اس کا مصداق ہے کیونکہ صحیح بخاری کا درسی نسخہ ہے‘ پہلی جلد ص نمبر ۵۸ اور کتاب کی دائیں طرف نصف سے کچھ نیچے‘ وہاں پر یہ روایت موجود ہے کہ جب ابوایوب انصاری فوت ہوئے تو قسطنطنیہ پر یزید بن معاویہ امیر تھا۔ بس یہ روایت تھی اور جو ناصبیت کے چیمپین ہیں وہ کہتے ہیں کہ یزید جنتی یزید جنتی یزید جنتی یزید جنتی۔ اب میں دلیل و برھان کے ساتھ آپ پر یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ نبی نے فرمایا کہ میری امت کا ایک گروہ اور وہ گروہ ایک پہلا اول جیش من امتی یعنی ہر نہیں پہلا گروہ جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوگا وہ بخشا ہوا ہے۔ سنن ابی داؤد میں روایت ہے کتاب الجہاد میں یہ روایت ہے ۲۵۱۲ نمبر کہ اس لشکر قسطنطنیہ کے جو امیر

تھے وہ صحابئ رسول عبدالرحمٰن بن خالد بن ولیدؓ تھے۔ خالد بھی صحابی اوران کے بیٹے عبدالرحمٰن بھی صحابی ہیں۔ اب صحابئ رسول اس لشکر کے امیر تھے۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یزید قسطنطنیہ کے آخری حملے مین شامل ہوا''۔ پھر کچھ دور جا کر بطور نتیجہ فرماتے ہیں'' یہ ایک ایسی ٹھوس دلیل ہے جس کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یزید حدیث قسطنطنیہ کا مصداق نہیں ہے۔''

جواب: خاندان بنوامیہ کی مخالفت کے جذبے کے تحت حافظ زبیر علی زئی اور حافظ عمر صدیق اوران کے اعوان و انصار کے ذھنی رجحان سے کون واقف نہیں۔ جبکہ ہندو پاک اور دنیا کے تمام اہلحدیث علماء و بردران بخاری کی کتاب الجہاد کی حدیث کے تناظر میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہی امیر لشکر غزوہ قسطنطنیہ مانتے ہیں لیکن پاکستان کے مذکورہ بالا چند علماء اس حقیقت ثابتہ و واضحہ کا انکار کرتے ہیں اور پھر عمر صدیق بلا دلائل یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آج تک علماء اہلحدیث یزید کو پسند نہیں کرتے بلکہ سب ناراض ہیں۔ جبکہ معاملہ صدفی صد برعکس ہے۔ اس سلسلے میں مین قارئین کو بتاؤں کہ تقریباً بارہ تیرہ سال قبل میں نے ایک کتاب موقف حسین و یزید تالیف کی تھی پھر اس پر بریلویوں نے اعتراض کیا کہ یزید ہرگز امیر لشکر قسطنطنیہ نہ تھا بلکہ وہ سفیان بن عوف تھے یا عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے۔ تو ان دعاویٰ کے رد میں میں نے ایک دوسری کتاب حدیث غزوۂ قبرس وقسطنطنیہ تالیف کی۔

بہرحال اب ہم نفسِ مسئلہ کی طرف التفات کرتے ہیں اور سب سے پہلے اول جیش کی بحث کے سلسلے میں شیخ صلاح الدین یوسف کی کتاب رسومات محرم الحرام اور سانحہ کربلا سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس میں محقق موصوف نے حدیث بخاری کے مطابق محدثین و مورخین اسلام کی تحقیقات کو سمیٹا ہے۔ افادیت کے نقطۂ نظر سے ہم اس کو نقل کرتے ہیں۔ نقل سے قبل ہم اس حدیث کو نقل کرتے ہیں تا کہ اس مبحث کی بنیاد ہمارے پیش نظر رہے۔ حدیث یہ ہے۔

کہ اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم۔ (بخاری کتاب الجہاد) ترجمہ۔ میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔ حافظ صلاح الدین فرماتے ہیں'' غزوۂ قسطنطنیہ سے متعلق صحیح بخاری کی جو روایت پہلے متعدد مقامات پر زیر بحث آچکی ہے' جس میں یہ

بشارت دی گئی ہے کہ اس غزوہ میں شریک ہونے والے افراد بخشے ہوئے ہیں ۔ تمام قدیم کتب تواریخ اس امر پر متفق ہیں کہ اس غزوہ کے امیر لشکر یزید بن معاویہؓ تھے ۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مسند احمد کی ایک روایت ہے جس میں صاف وضاحت ہے کہ اس لشکر قسطنطنیہ کے امیر جس میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی شامل تھے' یزید بن معاویہؓ تھے (مسند احمد: ۵ ۴۱۶ طبع جدید) اسی طرح تاریخوں مثلاً ابن سعد کی الطبقات الکبریٰ ، ابن جریر طبری (متوفی ۳۰۰ ھ) کی تاریخ الامم و الملوک ج ۴ ص ۱۷۳) اور خلیفہ ابن خیاط (متوفی ۲۴۰) کی تاریخ ج ا' ص ۱۹۶ میں سلسلہ زیر بحث غزوۂ قسطنطنیہ یزید بن معاویہؓ کی شمولیت کا ذکر اسی نداز سے آیا ہے کہ وہ امیر لشکر تھے ۔ یہ تو اولین اور قدیم ترین تاریخیں ہیں' بعد کے مورخین میں حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ ھ) کا جو پایہ ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے ۔ انہوں نے اپنی تاریخ کی کتاب البدایہ والنہایہ کے متعدد مقامات پر اس کی صراحت کی ہے ج ۸' ص ۵۹ پر مسند احمد کی متذکرہ بالا روایت بھی نقل کی ہے' اور ص ۵۸ پر ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وصیت کے مطابق ان کی نماز یزید رحمہ اللہ نے پڑھائی (البدایہ و النھایہ ۸ ۔ ۶۰ ۔ ۱۶) ۔ اسی جلد کے ص ۱۵۱ پر تحریر ہے کہ حضرت حسینؓ بھی اسی لشکر میں موجود تھے اور صفحہ ۲۲۹ میں یزید رحمہ اللہ کے حالات میں لکھا ہے ۔ اسی طرح ابن عبد البر (متوفیٰ ۴۶۳ ھ) کی کتاب الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب ج ا' ص ۱۵۷ ۔ امام سہیلی متوفیٰ ۵۸۱ ھ) کی روض الانف (شرح سیرہ ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۴۶) حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۲' ص ۹۰) میں اسی حقیقت کا اثبات کیا گیا ہے ۔ علاوہ ازیں شروح بخاری فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۵ (طبع دار السلام) اور عمدۃ القاری میں بھی حدیث یغزون مدینتہ قیصر کی شرح کرتے ہوئے یہی کچھ لکھا ہے ۔ حدیث اور تاریخ کے ان تمام حوالوں سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہونچ جاتی ہے کہ جس لشکر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے مغفور لھم (بخشے ہوئے) فرمایا ہے اس کے امیر یزید بن معاویہؓ ہی تھے ۔

اس تاریخی حقیقت کے برعکس بعض لوگ یزید کو اس شرف سے محروم کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ زیر بحث لشکر کے امیر حضرت سفیان بن عوف تھے' یزید نہ تھے۔لیکن تاریخی دلائل اس رائے کی تغلیط کرتے ہیں جیسا کہ محولہ بالا عبارتوں سے واضح ہوتا ہے۔ غالبًا ایسے لوگوں کے سامنے ابن الاثیر (متوفی ۶۳۰ھ) کی الکامل اور ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) کی تاریخ ہے۔حالانکہ ان کے بیانات سے بھی اس رائے کی تائید نہیں ہوتی۔ابن الاثیر نے اس سلسلے میں یہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے قسطنطنیہ کی طرف کثیر فوج روانہ کی۔حضرت سفیان بن عوف کو اس کا امیر مقرر کیا اور اپنے لڑکے یزید کو بھی اس فوج میں شامل ہونے کو کہا۔لیکن وہ ساتھ جانے کو تیار نہ ہوا۔لشکر وہاں پہونچا اور خبر آئی وہ مصائب سے دوچار ہو گے ہیں۔اس پر یزید کی خواہش کے مطابق جم غفیر لشکر کا اضافہ کیا جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ 'حضرت ابن عمرؓ 'حضرت ابن زبیرؓ اور ابوایوب انصاریؓ وغیر ھم بہت سے لوگ تھے (ملخصاً از تاریخ بن الاثیر ج ۳' ص ۲۲۷) تاریخ ابن خلدون میں (غالبًا) اسی سے ماخوذ تقریباً ایسا ہی درج ہے ج ۳' ص ۹' طبع بیروت)

اولاً یہ دونوں کتابیں بعد کی ہیں جبکہ قدیم تاریخوں میں (جو بنیادی ماخذ ہیں) یزید ہی کو لشکر کا سپہ سالار بتلایا گیا ہے جیسا کہ پہلے سارے حوالے درج کئے جا چکے ہیں۔ثانیاً: ابن الاثیر اور ابن خلدون کی بیان کردہ تفصیل کو پہلے مورخین کی مذکورہ تصریحات کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس میں صرف اتنا اضافہ ملتا ہے کہ یزید سے پہلے ایک لشکر سفیان بن عوفؓ کی قیادت میں بھیجا گیا لیکن بوجوہ لشکر کوئی کارکردگی پیش نہ کر سکا۔جس کے بعد یزید کی سپہ سالاری میں وہ لشکر بھیجا گیا جس نے وہاں جا کر جہاد کیا اور یوں یزیدی لشکر ہی غزوۂ قسطنطنیہ کا اولین غازی اور بشارت نبوی کا مصداق قرار پایا۔بنابریں تمام مورخین کا یزید ہی کو اس لشکر کا سپہ سالار قرار دینا بالکل صحیح ہے اور ابن الاثیر اور ابن خلدون کی تفصیل بھی اس کی مناقض (مخالف) نہیں اس میں ایک بات کا اضافہ ضرور ہے تاہم اس اضافہ سے یزید کو اس شرف سے محروم کرنے کی کوشش غیر صحیح اور بے بنیاد ہے۔ یہ بات تو خود ابن الاثیر کے اپنے ذھن میں بھی نہیں تھی جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب اسد الغابہ میں یزید ہی کو لشکر قسطنطنیہ کا سپہ سالار لکھا ہے۔(جلد ۲' ص ۸۸' طبع قدیم ترجمہ ابو یوب انصاری)

امیر لشکر قسطنطنیہ کے سلسلے میں اختلاف کیوں ہوا؟

امیر لشکر غزوۂ قسطنطنیہ کے تعین کے سلسلے میں اختلاف اس لئے ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور سے ہی روم کی طرف لشکر جہاد روانہ کئے جاتے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف طاقت روم تھی۔ لہٰذا اس سے ہمیشہ مقابلہ رہا کرتا تھا۔ مصروشام کے علاقے اس کی بحری زد میں تھے۔ اس کے دفاع کے لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑہ قائم کیا تھا۔ بحری بیڑے کے ساتھ ایک مستقل گرمائی فوج کی تشکیل دی جس کو صائفہ کہا جاتا تھا جو صرف گرمی کے موسم میں ہی رومیوں سے برسر پیکار رہا کرتی تھی اور ایک فوج سردی کے موسم میں جہاد کرنے کے لئے مختص تھی جس کو شتائیہ کہا جاتا تھا۔ ان دونوں فوجوں کے الگ الگ انتظامات تھے۔ کوئی بھی سال ان بحری سرگرمیوں کے اعتبار سے خالی نہ جاتا تھا اور عبد اللہ بن قیس حارثی، جنادہ بن ابی امیہ، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید، بسر بن ارطات، مالک بن حبیرہ، فضالہ بن عبید، یزید بن شجرح اور دیگر روایات کے مطابق سفیان بن عوف وغیرھم رضی اللہ عنہم مختلف سنوں میں بحری معرکوں مین مصروف رہے۔ لیکن ان میں قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا (ابن کثیر)۔

یہ غزواۃ مختلف لشکروں کے ذریعے انجام دئے جاتے تھے لیکن کوئی لشکر قسطنطنیہ تک نہیں پہنچ سکا اور نہ ہی خاطر خواہ کامیابی حاصل کر سکا۔ صرف لشکر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ حدیث بخاری کے مطابق قسطنطنیہ تک پہنچ سکا۔ تمام کتب تواریخ میں اس کا ذکر ہے۔ جیسے طبری، ابن کثیر، ابن اثیر اور ابن حجر عسقلانی نے تفصیلات پیش کی ہیں بلکہ شیعہ کتب میں بھی اس کے حوالہ جات پائے جاتے ہیں۔ یوں ہی یورپی مورخین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے (حدیث غزوۂ قبرس وقسطنطنیہ از عبدالودود صدیقی سلفی کلیان)

محاکمہ بر تعین امیر لشکر غزوئہ قسطنطنیہ

مولانا ڈاکٹر پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی۔ سابق صدر شعبہ/ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ۔ اپنی کتاب ”خلافت اموی خلافت راشدہ کے پس منظر میں“ میں فرماتے ہیں

”حضرت معاویہؓ کی کمان وسالاری میں جانے والے غزوۂ رومی کے بارے میں یہ طے تھا

کہ وہ اولین بحری غزوۂ اسلامی ہے جواس سال کیا جا رہا تھا۔اس سے پہلے وہ نہیں ہوا تھا۔لہٰذا اس کے شرکاء کو حتمی طور سے یہ معلوم تھا کہ وہ اولین بحری غزوۂ ہے۔

لیکن دوسرے رومی غزوہ اوراسلامی جیشِ اول کے قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر حملے کرنے کا معاملہ اتنا قطعی نہیں تھا۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ فلاں امیر غزوہ اوران کے شرکاء ومجاہدین قسطنطنیہ تک ضرور بالضرور جا پہنچیں گے۔ بالخصوص اس صورت میں جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد سے بالعموم اور خلافت معاویہؓ میں آغاز سے بالخصوص ارض روم پر ہر سال سردی اور گرمی کے دوغزوات کے علاوہ برابر بحری غزوات بھی ہورہے تھے اور کامیابیاں بھی مل رہی تھیں۔لیکن غزوۂ جناب یزیدؒ سے قبل کوئی بھی سالار وامیر البحر قسطنطنیہ نہیں پہونچ سکا اور نہ اس پر حملہ کرسکا۔

غزوۂ قسطنطنیہ اوراس کی کمان کے بارے میں بعض شارحین و مفکرین نے خیالی گھوڑے بھی دوڑائے ہیں۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند کو بشارت نبوی کا مصداق بنانے کے لئے یہ غزوہ ترتیب دیا تھا۔منطقی اعتبار سے یہ ظن وتخمین سوء کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ حضرت معاویہؓ کو معلوم تھا اور نہ جناب یزیدؒ اور نہ کسی اور ہی کو کہ وہ قسطنطنیہ تک جا پہنچے گا۔ بالخصوص اس صورت واقعی میں کہ کم ازکم دس سال سے برابر رومی غزوات ہورہے تھے وہ برّی بھی تھے اور بحری بھی۔مگران میں کوئی بھی قسطنطنیہ تک نہیں پہونچ سکا اور کسی منزل پر رہ گیا۔صحابہ کرام اور تمام دوسرے شرکاءغزوات روم نے بالخصوص اوران کے امراء وامراء البحر نے بالعموم رومی جہاد میں برابر حصہ اسی بشارت سے سرفراز ہونے کے لئے کیا تھا لیکن وہ تقدیر الٰہی نے یزید بن معاویہؓ کی ماتحتی میں جانے والے غزوہ کے نصیب میں لکھ دیا تھا (ص ۱۵۴۔۱۵۳) پھر کچھ فاصلہ کے بعد مولف غزوہ قسطنطنیہ کی امارت وسالاری کے عنوان کے تحت ناقل ہیں۔

غزوئہ قسطنطنیہ کی امارت و سالاری

موصوف فرماتے ہیں ”اول اختلاف یہ ہے کہ غزوۂ قسطنطنیہ کا سالار وامیر کون تھا؟ اس مسئلہ پر دوآراء ملتی ہیں ایک حضرت معاویہ بن سفیان امویؓ کے فرزند امیر یزیدؒ تھے اور دوسرے یہ کہ یزید کے علاوہ کوئی اور صاحب تھے“ خواہ یہ صاحب بھی مختلف فیہ ہوں لیکن ”غیر یزید“ امیر غزوہ

ثابت کرنے کا ایڑی چوٹی کا زور اس رائے کے اصحاب لگاتے ہیں اور اول رائے کی حمایت میں آنے والی تمام روایات کی تاویل وتوجیہ کرتے ہیں یا ان کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ان دونوں آراء پر مواد پہلے جمع کیا جاچکا ہے۔اب محاکمہ کیا جاتا ہے (صرف ایک مثال کے لئے ملاحظہ ہو۔ابن اثیر ۳/۴۹ جنہوں نے حضرت سفیان بن عوفؓ کے سرسالاری کی دستار باندھی ہے۔فتح الباری میں دوسرے امراء کا بھی ذکر ہے) تاریخ واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ غزوۂ قسطنطنیہ کے امیر البحر وسالار امیر یزید ہی تھے۔تمام مورخین اور وقائع نگار جیسے طبری، ابن کثیر، ابن اثیر، وغیرہ حتیٰ کہ شیعی مورخ یعقوبی بھی اس کے قائل ہیں۔ان سے زیادہ قوی تر روایات حدیث کے ذخیرہ میں ملتی ہیں۔ بالخصوص امام بخاری کی صحیح اور ان کی شرح عسقلانی میں حدیث بخاری ۱۱۸۵۔۱۱۸۶ کتاب التہجد کے باب صلاۃ النافلہ میں آئی ہے اور سب سے زیادہ اہم ہے۔اس کے راوی عظیم صحابی حضرت محمود بن الربیع خزرجی انصاریؓ ہیں جن کی صغرسنی (کم عمری) کے باوجود حضرت انس بن مالکؓ ان سے روایت لیتے ہیں۔ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک حدیث ایک جماعت سے بیان کی جس میں ابوایوبؓ صاحب ومیزبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے اور یہ اس غزوہ میں بیان کی جس میں ان کی وفات کا واقعہ پیش آیا اور جس کے امیر یزید بن معاویہؓ ارض روم میں تھے "**قال محمود فحدثتها قوما فيهم ابو ايوب صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم فى غزوة التى توفى فيها ، و يزيد بن معاويه عليهم بارض الروم**" حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے آخری جملے کی وضاحت میں لکھا ہے کہ علیھم کا معنیٰ ہے کہ وہ امیر تھے ای کان امیراً۔اور پھر اس کے قسطنطنیہ تک جا پہنچنے کی تصدیق ان الفاظ میں کی ہے وذلک۔۔۔۔فی خلافۃ معاویہ، ووصلوا فی تلک الغزوۃ حتی حاصروا القسطنطنیہ۔حافظ موصوف نے حدیث حضرت ام حرام بنت ملحان انصاریؒ کی شروح میں بھی امیر یزیدؒ کو ہی غزوۂ قسطنطنیہ کا امیر وسالار کئی مقامات پر قطعی طور پر بتایا ہے کہ وہ حدیث کئی ابواب وکتب میں آئی ہے۔دوسرے مورخین وشارحین اور محدثین نے بھی لکھا ہے کہ جناب یزید بن معاویہؓ ہی غزوۂ قسطنطنیہ کے امیر تھے۔ان میں سے ایک مذکورہ بالا کے علاوہ مورخ ابن طولون (محمد بن علی طولون ۹۵۳۔۱۵۴۶) اور عظیم محدث وامام ابن تیمیہ (احمد بن عبدالحلیم حرانی، م۶۵۲/۱۲۵۴) اور ایک طبقۂ اہل ذکر شامل ہے۔

حضرت محمود بن ربیع انصاریؓ کی حدیث بخاری کی اہمیت اس وجہ سے اورزیادہ ہے کہ وہ ایک عینی شاہداور مجاہد کا قطعی بیان ہے ۔حضرت محمود انصاریؓ اس غزوہ میں شریک تھے ۔اگر چہ ان کا نام عام صحابہ کرام کے ساتھ شامل نہیں کیا جاتا جو اس غزوہ میں شریک سعادت اور کارفرمارہے تھے ۔طبری، ابن اثیر، وغیرہ نے حضرت ابن عمرؓ، ابن عباس اور ابن زبیرؓ رضی اللہ عنھم کی شرکت کا عام طور سے ذکر کیا ہے اور دوسرے صحابہ کرام کی شرکت کا ذکر نہیں کیا۔جس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ بس مذکورہ بالا ہی صحابہ اس میں شریک تھے ۔

متعدد مورخین ومحدثین نے دوسرے صحابہ کرام کا بھی ذکر کیا ہے، جن میں سے ایک صحابی محبوب کا ذکراہم ترین ہے ۔اوروہ ہیں حضرت حسین بن علیؓ جن کی شخصیت اور شہادت کے واقعہ کے سبب امیر یزیدؒ پر طعن وافتراء کا دروازہ مفسد اور جانبدار تاریخ نویسوں نے کھولا ہے ۔ان کی شرکت کا ذکر حافظ ابن عسا کر نے اپنی تاریخ دمشق مین کیا ہے اور امام ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس کو نقل کیا ہے ۔اس کا سماجی اور تمدنی پس منظر بھی بہت دلچسپ ہے ۔اس روایت کے مطابق حسینؓ ہر سال حضرت معاویہؓ کے پاس جاتے تھے اور حضرت معاویہؓ ان کا اکرام کرتے اور ان کو عطا سے نوازتے تھے ۔حضرت حسینؓ اس غزوہ میں حضرت معاویہؓ کے فرزند حضرت یزیدؒ کے ساتھ تھے جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا **کان الحسین یفدالی معاویته فی کل عام فیعطیه ویکرمه' و کان فی الجیش الذین غزوا القسطنطنیه ابن معاویه یزید** ۔امام ذھبی نے اپنی تاریخ میں بھی اس کو بیان کیا ہے (ابن کثیر البدایہ۔ذھبی)

اتنے پختہ شواہد اور قطعی بیانات بلکہ معاصر عینی شہادت کے بعد کسی دوسرے صاحب کے سر غزوہ قسطنطنیہ کی سربراہی کا سہرا باندھنے والی روایات واخبار کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے یہ اہل نظر پر مخفی نہیں ہے ۔ یہ بنیادی طور سے شیعی رویہ ہے اور سنیوں میں رافضیت کے زیر اثر آیا ہے ۔ ورنہ اس کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے ۔ بقول مولانا اسحٰق صدیقی سندیلوی صحیح احادیث اور صحیح روایات تاریخ کے اجماع و اتفاق کو حدیث کے منکرین ومخالفین نے نظر انداز کر دیا اور شاذ اور غیر صحیح روایات قبول کرلیں ۔شیعی فکر سے ہمیں کوئی شکوہ نہیں کہ وہ ان کا دین وایمان ہے ۔مگر سنی اہل علم اور مفکرین اسلام نے اسے کیوں قبول کیا؟ صرف اس لئے کہ امیر یزید کی دشمنی نے ان کو اندھا کر دیا ہے (خلافت اموی خلافت راشدہ کے پس منظر میں، ص (۱۵۔۱۵۴ از مولانا ڈاکٹر پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی)

عمر صدیق کے بیان میں سپہ سالاری کے تعین کی بحث

جناب عمر صدیق نے اپنی اس تقریر میں بطور دلیل سنن ابی داؤد کی وہ حدیث بیان کی ہے جس میں غزوۂ قسطنطنیہ کی امارت یا سپہ سالاری حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں دکھائی دیتی ہے جبکہ بقول عمر صدیق یزید کی امارت سب سے آخری غزوہ جو ۵۲ یا ۵۳ میں ہوا' میں پائی جارہی ہے اور عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی امارت یزید سے قبل کی ہے پھر اس کو بیان کرنے کے بعد تھوڑی دور جا کر یہ بھی کہا کہ ''یہ ایک ایسی ٹھوس دلیل ہے جس کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یزید حدیث قسطنطنیہ کا مصداق نہیں ہے۔

عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید اور یزید بن معاویہ ایک ہی غزوہ کے امراء الجیوش ہیں

ماہنامہ محدث لاہور شمارہ جنوری ۲۰۱۰ء میں ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ کا مضمون ''کیا یزید بن معاویہ لشکر مغفور لھم کے سالار ہیں؟'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس میں وہ پورا زور اس بات پر صرف کرتے ہیں کہ حضرت یزید اس لشکر غزوۂ قسطنطنیہ کے امیر نہیں بلکہ حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کا جواب عبدالولی حقانی صاحب نے دیا ہے اور ابوداؤد اور بخاری کی حدیث دونوں میں تطبیق ثابت کی ہے کہ یہ دونون روایات ایک ہی غزوہ سے متعلق ہیں۔ اب ہم مضمون کے اس حصے کو نقل کرتے ہیں فیصلہ قارئین فرمائیں۔ جناب عبدالولی حقانی فرماتے ہیں'' دامانوی صاحب قسطنطنیہ پر چوتھا حملہ سیدنا عبد الرحمٰن بن خالد بن ولید کے زیر امارت ہونا بیان کرتے ہوئے اس کے تحت سنن ابو داؤد کی اسلم ابوعمران والی روایت ذکر کرتے ہیں، جس میں ہے: وَعَلَى الْجَمَاعَةِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ۔ ''جماعت پر عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید امیر تھے۔''

اسی روایت میں ابو عمران یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ فَلَمْ يَزَلْ اَبُو اَيُّوب يُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِ اللهِ حَتىّٰ دُفِنَ بِا لقسطنطنيه ''پس ابوایوب مسلسل (بغیر کسی انقطاع کے) اللہ کے راستے میں جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔'' اس روایت سے یہ پتہ چل رہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد جب جماعت پر امیر تھے، غزوہ جاری رہا اور ابوایوب نصاری رضی اللہ عنہ اس میں وفات پا گئے۔ جبکہ صحیح بخاری کی محمود بن ربیع والی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔۔۔

: فَحَدَّ ثتهَا قَوماً فِيهِمُ اَبُو ايُّوب صَاحِبُ رَسُول اللهِ ﷺ فِي غَزوَته ِ التِى تُوفِّىٰ وَ يَزِيُد بُن مُعَاوِيَة عَلَيُهِم ُبِارض الرُّوم ِ . (صحیح البخاری:۱/۱۰۷)

''پس میں نے یہ حدیث ایسے لوگوں سے بیان کی جن میں رسول ﷺ کے صحابی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔اس غزوہ میں جس میں وہ وفات پا گئے اور یزید بن معاویہ ان پر امیر تھے۔'' یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ اسلم ابوعمران کی روایت میں بھی ابوایوب کی وفات کا ذکر ہے اور (بخاری کی) اس حدیث محمود بن ربیع میں بھی ان کی وفات کا ذکر ہے ۔عبدالرحمٰن بن خالد کی امارت والے غزوہ میں ان کی عدم واپسی اور مسلسل جہاد اور پھر وفات ثابت ہے اور اس حدیث میں بھی ۔لہٰذا یہ دونوں روایات ایک ہی غزوہ یا واقعے کے متعلق ہیں ۔اب رہ گئی بات کہ عبدالرحمٰن بن خالد بھی امیر ہیں اور یزید بن معاویہ بھی تو اس میں منافات نہیں بلکہ تطبیق ممکن ہے ۔چونکہ یہ ایک نہایت اہم غزوہ ہے اس بنا پر سیدنا معاویہؓ نے اس کے لئے بہت بڑا لشکر بھیجا اور اہل مصر کی جماعت پر عقبہ بن عامر امیر تھے ۔اہل شام کی جماعت پر فضالہ بن عبید اور مدینہ سے آنے والی جماعت پر عبدالرحمٰن بن خالد امیر تھے جب کہ تمام لوگوں پر یزید بن معاویہ امیر تھے۔

اس تطبیق سے اس اشکال کا حل بھی نکل آتا ہے کہ جامع ترمذی کی روایت میں وَعَلی الجماعته فضالة بن عبيد ۔'' جماعت پر فضالہ بن عبید امیر تھے۔'' کے الفاظ آئے ہیں اور دامانوی صاحب یا ان کے استاذ صاحب نے ان الفاظ کو وہم قرار دیا ہے، کیونکہ وَعلى الجماعته فضالة بن عبيد اور وعلىٰ اَهُلِ الشام ِ فضالة بن عبيد میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ الجماعۃ سے مراد اہل شام ہی کی جماعت ہے ورعبدالرحمٰن بن خالد بھی الجماعۃ پر امیر تھے، لیکن وہ الجماعۃ جو مدینہ سے نکلی تھی جیسا کہ اسلم ابوعمران کے الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں

غزَ و نامن المدينة نريد القسطنطنيه َ۔ سے پتہ چلا کہ ہم مدینہ سے جہاد کیلئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے اور الجماعہ پر عبدالرحمٰن بن خالد امیر تھے، یعنی وہ جماعت جو مدینہ سے نکلی تھی، یہی بات دکتور صلابی نے اپنی کتاب میں لکھی ہے: یعنی الجماعة الذين غز و امن المدينة ۔''یعنی وہ جماعت جو مدینہ سے جہاد کیلئے نکلی تھی، جبکہ قائد عام یزید بن معاویہ ہی تھے۔'' (الدولۃ الاموية :۔۳۶/۲) دامانوی صاحب ''اس وضاحت سے کئی باتیں ثابت ہوئیں'' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں ''قسطنطنیہ پر ان حملوں کے دوران پوری جماعت پر عبدالرحمٰن بن خالد امیر تھے'' (صفحہ ۷۰) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حالانکہ اس کی انہوں نے کوئی صریح دلیل پیش نہیں کی۔ پھر لکھتے ہیں: ''شروع کے حملوں میں یا اول جیش میں یزید بن معاویہ شامل نہ تھے، کیونکہ یہ واقعات ۴۴ھ ۴۵ھ ۴۶ھ کے دوران پیش آئے تھے اور یہ حملے یزید بن معاویہ کے ۴۹ھ کے حملے سے پہلے ہوئے تھے۔'' (ص:۱۷)۔

تو عرض یہ ہے کہ دامانوی صاحب اپنے ان دعووں پر کوئی قابل اعتبار صحیح اور متصل سند والی کوئی روایت پیش کریں، کیونکہ ان کے بقول ''بے سند روایت کا وجود اور عدم وجود برابر ہے۔''

بہرحال کچھ مزید غلطیاں بھی ان کی تحریر میں موجود ہیں، لیکن ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ جو تطبیق ہم نے بیان کی ہے، اگر کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو تو نہ کرے۔ اگر وہ کسی کو جنتی نہیں مانتے تو نہ مانیں، لیکن کسی کو بزور جہنمی ثابت کرنے کی بھی کوشش نہ کریں۔ ہم تو ان تمام کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ

:تلک امة قد خلت لهاما کسبت و لکم ما کسبتم ولا تسا لون عما کانو ا یعملون(۲ /البقرہ:. ۱۳۱).

''یہ امت جو گزر چکی جو انہوں نے کیا ان کے لئے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لئے، ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہ کئے جاؤ گے۔'' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے: ان **تعذ بهم فا نهم عبادک و ان تغفر لهم فا نک انت العزیز الحکیم**(۵ /المائدہ:. ۱۱۷)۔ ''اگر تو ان کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو غالب ہے حکمت والا ہے۔'' ہمیں یقین ہے کہ اس ٹھوس دلیل کی واقعیت و جامعیت سے جناب عمر صدیق صاحب سمجھ چکے ہوں گے کہ اس حدیث کا مصداق یزید ہے یا نہیں۔

غز و اۃ روم کی حقیقت سے عدم وا قفیت اور عمر صدیق کا سوء فہم

جیسا کہ ہم نے اپنی ہی کتاب حدیث غزوۂ قبرس و قسطنطنیہ کے حوالے سے پیچھے نقل کیا کہ یہ غزواۃ مختلف لشکروں کے ذریعہ انجام دئے جاتے وہ اس طرح سے کہ ایک سردی میں اور ایک گرمی میں۔ مورخ یعقوبی نے پوری خلافت حضرت معاویہؓ میں سالانہ رومی غزوات اور ان کے امراء کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے دو برسوں یعنی ۴۲ھ اور ۵۴ھ کے سالانہ غزوات کا ذکر نہیں کیا۔ اس طرح حضرت معاویہؓ کی انیس سال آٹھ مہینوں کی خلافت میں غزوات روم کی کل تعداد ستّرہ بنتی ہے (یعقوبی ۲/۲۳۷-۲۴۰)

عمر صدیق کا مغالطہ

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عمر صدیق نے غزوات روم اور غزوہ قسطنطنیہ میں فرق نہیں سمجھا یا پھر غزوات رومی کا بالا ستیعاب مطالعہ نہیں کیا کیونکہ ان کی دلیل میں خلطِ مبحث پایا جا رہا ہے۔ پچھلی عبارت کے بعد موصوف فرماتے ہیں ''دوسری دلیل قسطنطنیہ پر اٹھارہ حملے ہوئے ہیں۔ ۹ سردیوں میں اور نو گرمیوں۔ اب نو حملے گرمیوں میں ہوئے ہیں حافظ ابن حجر الاصابہ میں ایک صحابی سفیان بن عوف ہیں' لکھتے ہیں کہ سفیان بن عوف گرمیوں کے لشکر کے امیر تھے اب یہ سفیان ۵۵ھ میں فوت ہوئے۔ اب نو گرمیاں اگر ہوں تو ایک سال کا وقفہ ہوگا' کم سے کم ۵۳ھ سے پیچھے جائیں' ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۳، ۴۳ تو اگر ہر سال کو جوڑ کر یہ ۹ حملے بنائے جائیں تو ۴۳ میں پہلا حملہ بنتا ہے۔ اس دلیل و برھان پر یزید اول جیش (یعنی پہلے لشکر) کا مصداق نہیں ہے'' **وضاحت۔** اس عبارت کے بالکل شروع میں موصوف فرماتے ہیں کہ قسطنطنیہ پر ۱۸ حملے ہوئے یہ بالکل گپ ہے یا انکی اس سلسلے میں صحیح علم سے جہالت اس لئے کہ مورخین نے ان اٹھارہ حملوں کو جداول کی شکل میں پیش کیا جیسا کہ ہم نے مورخ یعقوبی کا حوالہ پیچھے ذکر کیا۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی صاحب نے بھی بالترتیب ۱۹ نمبروں میں سن اور غزوہ کے امیر یا سپہ سالار کا نام اور جہاں حملہ ہوا وہاں کا نام ذکر کیا ہے۔ اس میں کہیں نہیں مذکور کہ یہ اٹھارہ حملے صرف قسطنطنیہ ہی میں ہوئے جیسا کہ عمر صدیق نے عبارت کے شروع میں کہا بلکہ مورخین نے اور مورخ محمد یٰسین مظہر صدیقی نے اکثر یہ ذکر کیا کہ ارض روم میں حملہ کیا کبھی کہا کہ فلاں مقام پر حملہ کیا لیکن صرف ۵۶ھ میں حضرت یزید بن معاویہ کے ذکر میں وضاحت کے ساتھ صاف تحریر کیا کہ یزید بن معاویہ نے حملہ کیا اور قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔ یہ اس لئے کہ اکثر مورخین و محدثین کی حدیثی و تاریخی روایات سے یہی ثابت ہے۔ لیکن دیگر سپہ سالاروں کے ذکر میں یہ نہیں لکھا کہ قسطنطنیہ تک پہونچے صرف ابوداؤد کی حدیث میں البتہ ذکر ہے کہ قسطنطنیہ تک پہنچے تو یہ پیچھے ثابت کیا جا چکا ہے کہ ابوداؤد اور بخاری میں مذکور یہ دونوں غزوے فی الاصل ایک ہی ہیں۔

تحقیق مزید۔ لہٰذا فیصلہ یہ ہوا کہ ان گذشتہ مذکورہ حوالوں میں ایک بھی غزوہ ایسا نہ تھا جس کو کارگزاری یا کارنامہ کہا جا سکے یا کامیابی۔ یہ بس روٹین قسم کے سردی اور گرمی کے موسم کے ایک ایک غزوے ہوتے تھے

جس میں یا تو ناکامی یا واپسی یا پریشانی کے بعد واپسی ہوتی تھی اور بس مورخین کی جداول کو دیکھ کر کوئی بھی تسلی کر سکتا ہے اگر خوف طوالت نہ ہوتا تو ہم پوری جدول (table) بنا کر دکھا دیتے کہ یہ حملے حقیقت میں کیا تھے صرف ایک ہی حملہ جو ۵۶ ھ میں حضرت یزیدؒ نے قسطنطنیہ پر کیا کامیاب رہا جہاں دیوار قسطنطنیہ تک مجاہدین پہونچے، حملہ کیا محاصرہ کیا اوران کو ڈرایا دھمکایا گیا اور اسی مقام پر حضرت ابوایوب انصاری انتقال کر گئے اور وہیں دیوار قسطنطنیہ کے پاس دفن کئے گئے اور حضرت ابوایوب انصاری کی وصیت کے مطابق حضرت یزیدؒ نے ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ آپ مختلف جہادی لشکروں کے سب پر فائق سپہ سالار تھے اور بخاری کی شرح میں اول جیش والی حدیث میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے علیھم کے ذریعہ یہ دلیل پیش کی ہے کہ حضرت یزید بن معاویہ ہی اس لشکر کے سپہ سالار مطلق تھے۔ الگ الگ علاقوں کے الگ الگ لشکر تھے جیسے کہ لشکر مدینہ کے امیر حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولیدؒ تھے اور بخاری کی کتاب صلاۃ التہجد کی محمود بن ربیعؒ کی حدیث میں حضرت یزیدؒ کو سب کا سپہ سالار کہا گیا ہے اور یہ علیھم بخاری کی روایت ہے۔ لہٰذا عمر صدیق یہ کہنا چھوڑ دیں کہ ابوداؤد کی حدیث میں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید اس کے سپہ سالار تھے اور یہ لشکر ہی اول جیش یعنی بخشا ہوا ہے اور یزید کا غزوہ تو سب سے بعد کا ہے اور یہ لشکر تو اول جشیں ہو ہی نہیں سکتا۔ جبکہ ہم نے ذکر کیا کہ لشکر عبدالرحمٰن لشکر یزید کا ایک ذیلی لشکر تھا اور تمام لشکروں پر حضرت یزید قائد تھے۔

عمر صدیق کی آخری دلیل بھی ناکارہ

اس کے بعد عمر صدیق فرماتے ہیں ''تیسرا حوالہ حافظ ابن کثیر یہ المنتظم مجھے دیں حافظ (ابن کثیر) البدایہ (و النھایہ) میں لکھتے ہیں کہ یزید خلافت عثمان میں ۲۶ ھ میں پیدا ہوا۔ المنتظم فی تاریخ الامم والملوک ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزی ان کی کتاب (یعنی المنتظم) سنین (سنوں) کے اعتبار سے۔ سالوں کے اعتبار سے انہوں نے واقعات لکھے ہیں۔ یہ لکھتے ہیں جہاں سے انہوں نے ۳۲ھ کا آغاز کیا ہے ۳۲ھ کے آغاز میں سب سے پہلی بار قسطنطنیہ پر پہلا حملہ ۳۲ھ میں ہوا۔ تو جب ۳۲ھ میں پہلا حملہ ہوا تو یزید اس وقت پانچ سال کا بچہ تھا۔'' پھر درمیان میں چند الفاظ غیر ضروری ہیں خاتمہ کلام پر عمر صدیق کہتے ہیں ''ہم کہتے ہیں حافظ ابن حجر سمیت کئی ائمہ نے لکھا ہے کہ یزید ۵۰ھ میں قسطنطنیہ کے حملے میں شریک ہوا۔ ہم کہتے ہیں۔۔

کہ ۵۰ء سے پہلے کسی حملہ قسطنطنیہ میں تم یزید کونہیں دکھا سکتے (نعرہ تکبیر بلند ہوتا ہے۔عوام میں)

جواب۔ اس عبارت میں عمر صدیق نے ابن کثیر کی البدایہ اور ابن جوزی کی المنتظم سے حضرت یزید کی تاریخ پیدائش ۲۶ ھ بتائی ہے اور پھر ۳۲ ھ میں قسطنطنیہ کی پہلی جنگ دکھلائی ہے اور حساب لگا کر یہ دلیل پیش کی ہے کہ ۳۲ ھ میں حضرت یزیدؒ کی عمر صرف پانچ سال کی تھی پھر عمر صدیق نے حافظ ابن حجر کے حوالے سے تحریر کیا یزید نے ۵۰ ھ میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا پھر کہا کہ ہم کہتے ہیں کہ ۵۰ ھ سے پہلے تم یزید کو کسی بھی حملہ قسطنطنیہ میں نہیں دکھا سکتے۔اس پر نعرہ تکبیر بلند ہوتا ہے سامعین میں۔گویا کہ یہ عمر صدیق کی جیت ہوئی کہ یزید قسطنطنیہ کے پہلے غزوے میں شریک ثابت نہ ہوسکا کیونکہ پہلا حملہ تو ۳۲ ھ میں واقع ہوا اور یزید تو پہلی بار ۵۰ ھ میں شامل غزوۂ قسطنطنیہ ہوا۔تو ہم محقق موصوف سے عرض کرتے ہیں کہ گذشتہ مباحث سے ان کو سمجھ میں آ چکا ہوگا کہ عہد معاویہؓ میں ہونے والے اٹھارہ یا انیس حملے جوارض روم پر ہوئے وہ کوئی غزوے نہ تھے بس چھوٹی موٹی کاوشیں، جھڑپیں تھیں اور ناکام سی کارکردگیاں تھیں۔ان لشکروں نے کوئی خاطر خواہ کارنامہ انجام نہ دیا اسی لئے بس کتب تواریخ وسیر میں ان کا ہلکا پھلکا ذکر ملتا ہے۔اور یہ اکثر حملے قسطنطنیہ پر نہ تھے جیسا کہ گذشتہ حوالے میں عمر صدیق صاحب نے ذکر کیا بلکہ اکثر مورخین نے ان مقامات کے یا تو نام دئے ہیں یا پھر یہ کہا کہ ارض روم پر یہ غزوہ تھا۔صرف حضرت یزیدؒ کے غزوے ہی کے لئے مورخین نے قسطنطنیہ کا ذکر کیا کہ قسطنطنیہ پہنچا، محاصرہ کیا حملہ کیا۔وغیرہ وغیرہ اور اسکا ذکر بخاری کتاب الجہاد میں اور کتاب صلاۃ التہجد میں بھی ہے۔اور اسی لئے درجنوں محدثین اور مورخین حتی کہ شیعی مورخین نے بھی حضرت یزیدؒ ہی کیلئے یہ کہا کہ یزید امیر لشکر غزوۂ قسطنطنیہ تھے رہا یہ نعرہ تو اس جہالت کیلئے تھا جس کا وہ شکار تھے

صحابہ کی بیعت یزید کا مذاق اڑایا

غزوۂ قسطنطنیہ کی حالت خراب کرنے کے بعد نام نہاد عمر صدیق حضرت یزید کی بیعت صحابہ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں ”حضرات اب کہتے ہیں ہمارے پاس ایک بڑی مضبوط دلیل ہے۔بڑ پکی کیا دلیل ہے؟ کہ صحابہ نے یزید کی بیعت کی تھی۔یہ جو چیمپین ہیں نا یزیدیت کے۔یہ چیمپین کہتے ہیں کہ صحابہ نے یزید کی بیعت کی تھی۔میں نے کہا آپ کا جو آئڈینٹٹی کارڈ ہے شناختی کارڈ ہے۔۔۔۔۔

بنواتے ہوئے آپ حلف دیتے ہیں کہ پاکستان کے آئین کی پاسداری کروں گا۔اس آئین کی پاسداری کے مطابق دو کروڑ اہلحدیث شیوخ الحدیث ،استاذ اہلحدیث ، کتابا، علماء زرداری کو صدر مانتے ہو۔نتیجہ یہ نکلا کہ شیوخ الحدیث زرداری کو صدر مانتے ہیں۔لہٰذا زرداری صاحب بڑے ہی افضل بندے ہیں۔یہ امیر المومنین ہیں۔یہ تو نتیجہ نہیں نکلے گا''

وضاحت۔اس تعبیر کو دیکھتے ہوئے عمر صدیق کی عقل پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔موصوف اسلام کے نظام خلافت کو عصر حاضر کی آلودہ اور پراگندہ جمہوریت سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ایک طرف صحابہ کرامؓ، خیر القرون یعنی جو سب سے بہتر زمانہ ہے دوسرے وہ نظام خلافت جبکہ عصر حاضر کے لوگ سب سے بدتر عہد کے لوگ ہیں پھر پاکستان کا پراگندہ جمہوری سیاسی نظام' اس پر زرداری کا پرسٹیج ان دونوں میں بعد المشرقین ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بیعتِ خلیفۃ المسلمین اور پاکستان کے شناختی کارڈ میں کیا نسبت ہے؟ پھر خلفائے راشدین اور زرداری جیسے لوگوں میں کیا مشابہت ہے؟ اور اسلامی نظام خلافت کو پاکستان کی صدارتی جمہوریت سے کیا علاقہ ہے؟ اور سب سے بڑھ کر صحابہ کرام کو پاکستانی عوام سے کیا تعلق!

اگر عصر حاضر کے جمہوری صدارتی نظام کے کسی سیاسی قائد کو ہم دل سے تسلیم نہ کریں اور اس کی مخالفت کریں تو یہ جائز ہے بلکہ عملی مخالفت بھی جمہوریت کا بنیادی حق ہے لیکن خلافت وہ منصب ہے کہ اگر خلیفہ فاسق و فاجر بھی ہیں تو بھی اس کی مخالفت و بغاوت جائز نہیں جب تک وہ اسلام کے بنیادی تقاضے پورے کر رہا ہے۔نماز ادا کرتا ہے اور اسلامی نظام قائم کرتا ہے۔پھر زرداری سے یزید کا کیا موازنہ و مقابلہ!

حضرت مروان کا حضرت یزید کو خلافت میں تعاون

اس کے بعد عمر صدیق فرماتے ہیں حضرات آئیے صحیح بخاری کتاب التفسیر میں مروان آیا عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو کہتا ہے یزید کی بیعت فرماتے ہیں اُھِرَ قلیَّۃ اور یہ جعلی بادشاہت! کیا کہا جعلی بادشاہت''۔مروان کہتا ہے خذوہ گرفتار کرلو۔سپاہی پیچھے۔عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلیل القدر صحابی ہیں۔سیدہ عائشہ کے گھر پناہ لی اور مروان نے قران کی آیت ان کے خلاف پڑھی۔یہ روایت بخاری کتاب التفسیر میں ہے یہ تیرے خلاف قران میں آیت موجود ہے۔سیدہ عائشہ اندر سے بولیں آل ابی بکر کے بارے میں قران میں ہمارے خلاف کوئی آیت موجود نہیں۔قران ہمارے حق میں ہے' ہمارے خلاف نہیں''

جواب۔ جناب عمر صدیق کو اس مقام پر سہو ہوا ہے وہ اس طرح کہ حوالہ تو صحیح بخاری کتاب التفسیر کا دیا لیکن روایت دوسری بیان کر دی عمر صدیق نے سہواً حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ کی طرف یہ منسوب کیا کہ موصوف نے کہا اٗہرقلیہ یعنی جعلی بادشاہت'' جبکہ صحیح بخاری میں یہ الفاظ سرے سے ہیں ہی نہیں بلکہ یہ تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن کثیر کے الفاظ ہیں اور صحیح بخاری کا مضمون ہم بیان کرتے ہیں۔'' مروان حاکم حجاز تھا جن کو حضرت معاویہؓ نے مقرر کیا تھا۔اس نے خطبہ پڑھا تو یزید بن معاویہؓ کا ذکر کرنے لگا تا کہ (معاویہؓ) کے بعد اس کی بیعت کی جائے تو عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے اس سے کچھ کہا اس پر مروان نے کہا ان کو پکڑو۔وہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں گھس گئے اور یہ لوگ انہیں پکڑ نہ سکے۔مروان نے کہا یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آیت و الذی قال لوالدیہ اف لکما اتعداننی. (۴۶۔الاحقاف۔۱۷) نازل فرمائی۔حضرت عائشہؓ نے پردے کے پیچھے سے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق کوئی آیت نازل نہیں فرمائی سوا اس کے جو اللہ نے میری برأت میں نازل فرمائی'' عمر صدیق نے اپنی اس عبارت کے اس مقام پر جہاں اہرقلیہ ہے نعرہ مارا تھا اور اس پر ان کو اب نعرے کے مقام پر معذرت طلب کرنا چاہیئے اس لئے کہ بخاری کا حوالہ دے کر غلطی سے جو واقعہ موصوف نے بیان کر دیا بدنصیبی سے وہ ضعیف سند سے بیان کیا گیا ہے اور یہ تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے جس کو خود ان کے استاد شیخ زبیر علی زئی نے ضعیف قرار دیا ہے۔دیکھیں تفسیر ابن کثیر مترجم بتحقیق ونظر ثانی زبیر علی زئی رحمہ اللہ۔مکتبہ اسلامیہ) یاد رہے۔تفسیر ابن ابی حاتم میں بیان کردہ اس واقعہ کو ماننے کی صورت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مورد لعن وطعن ٹھہرتے ہیں کیونکہ یزید کی بیعت کا حکم حضرت امیر معاویہؓ نے ہی دیا تھا۔بہرحال جناب عمر صدیق کی فکر ونظر بیمار پڑ گئی ہے اسی لئے موصوف کو حضرت امیر معاویہؓ حضرت یزیدؒ اور خاندان بنی امیہ میں صرف کیڑے ہی کیڑے دکھائی دیتے ہیں۔اپنی نیت صاف کریں۔اللہ سے توبہ کریں تقویٰ اختیار کریں ان شاء اللہ یہ مرض جاتا رہے گا۔اس کے بعد مولوی عمر صدیق نواصب پر اپنے غیض و غضب کی پنجہ آزمائی کرتے ہیں یعنی تقریر کے اس حصے کا تعلق چونکہ اہلحدیث سے نہیں بلکہ نواصب (ناصبی) سے ہے اس لئے اس حصے کے جواب سے ہم صرف نظر کرتے ہیں ویسے ہم ناصبیت کے تعلق کچھ بنیادی باتیں واضح کرنا چاہتے ہیں

اس لئے ہم الشیخ عثمان بن محمد الناصری آل خمیس کی کتاب کے اردو ترجمہ آئینہ ایام تاریخ میں کئے گئے ایک سوال کے جواب میں موصوف نے جو فرمایا ہے اسے نقل کرتے ہیں۔سوال کیا گیا کہ ناصبی کون ہیں؟ کیا وہ اہل السنہ والجماعہ سے ہیں؟اوران کے متعلق کیا حکم ہے **جواب**۔ناصبیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو آل بیت نبی سے عداوت (دشمنی) رکھتے ہیں چنانچہ یہ لوگ حضرت علیؓ اور حضرت حسن وحسین سے دشمنی رکھتے ہیں اور ان کا اہل السنہ والجماعۃ سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اہل السنہ والجماعۃ شیعوں اور ناصبیوں (نواصب جمع ہے ناصبی کی) کے درمیان ہیں۔اس لئے کہ شیعہ حضرات تو اہل بیت کی تعظیم کرتے کرتے انہیں انبیاء کرام سے بھی بڑھا دیتے ہیں اور دوسری طرف ناصبی حضرات ان سے بغض رکھتے ہیں، جبکہ اہل السنہ درمیانی راہ پر ہیں۔یعنی وہ اہل بیت سے محبت بھی رکھتے ہیں لیکن انہیں ان کے اسی مرتبے پر رکھتے ہیں جو اللہ نے ان کو عطا کیا ہے اور اہل السنہ کے ہاں ناصبی اہل بدعت سے ہیں (ص ۳۰۸) جناب عمر صدیق نے اپنی اس تقریر میں حضرت ابن تیمیہؒ کو ناصبی'' دو نمبر کا ناصبی اور چپ شاہ جیسے القاب سے ملقب کیا ہے۔غالباً اس لئے کہ انہوں نے حضرت یزید کیلئے اپنے مجموع الفتاوی میں کہا کہ ہم نہ یزید سے محبت کرتے ہیں اور نہ ان کو برا بھلا کہتے ہیں یعنی درمیانی راہ اور علامہ آل خمیس نے اہل السنہ کو شیعہ ونواصب کی درمیانی کڑی کہا ہے یعنی افراط وتفریط سے مبرا لیکن عمر صدیق علامہ ابن تیمیہؒ جیسی کوہ پیکر، جامع العلوم والکمالات شخصیت کو ناصبی نمبر۲ اور چپ شاہ جیسے اہانت آمیز کلمات بد سے نواز رہے ہیں۔موصوف کو کسی سائکیاٹرسٹ سے اپنی نفسیاتی کیفیت کا علاج کروانا چاہیئے تا کہ مکمل نہ صحیح اتنی شفاء تو حاصل ہو جائے کہ موصوف خیر وشر وحق وباطل میں امتیاز کر سکیں۔

ناصبیت کی تعریف تو آپ اوپر پڑھ چکے۔لیکن عصر حاضر میں اگر کسی نے بھی خاندان بنی ہاشم کے علی الرغم سیاسی اختلاف کے معاملے میں خاندان بنی امیہ کا دفاع کرنا شروع کیا تو فوراً معتبر علماء بھی جھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ ناصبی ہو گیا ہے۔خود میرے نزدیک ایک بہت ہی معتبر شخصیت نے میرے تعلق سے کہا کہ آپ ناصبی بن گئے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ وہ یہ بات میرے ساتھ بے تکلفی کی بنا پر کہتے ہیں۔جبکہ یہ فیشن بن گیا ہے کہ جس نے بنو امیہ کا دفاع کیا بس ناصبی بن گیا۔

قتل حسین کے بعد بنو ہاشم کی بنوامیہ سے رشتہ داریاں

عمر صدیق آگے فرماتے ہیں ’’یزید کے دفاع میں اور بھی بڑی بڑی ادھر ادھر کی باتیں بنائی جاتی ہیں۔رشتہ داریوں کے بارے میں ہم کہتے ہیں حضرت حسین کے قتل کے بعد یزید کے ساتھ اہل بیت کی رشتہ داری تم ثابت کر دو، یہ تمہارا کام ہے۔آپکو اب آیئے میں وہ دلائل نقل کرتا ہوں جو ملت ناجیہ کا اتفاقی موقف ہے۔اور میں آٹھ سال سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ ملک پاک میں رافضیت پھیلنے کا صرف ایک سبب ہے کہ تم نے حسینؓ کو چھوڑ دیا۔اگر تم حسینؓ کے ساتھ ہوتے تو ان لوگوں کو پھیلنے کا موقع نہ ملتا‘‘

جواب۔ مجھے حیرت ہے اس رسوائے زمانہ تقریر کا جواب لکھ کر مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے گویا میرا سابقہ کسی شیعی یا رافضی مقرر سے ہے اس لئے کہ یہ تمام اعتراضات تو روافض کرتے ہیں اور پھر تاریخ تو سب کچھ محفوظ رکھتی ہے ۔کہاں تک عمر صدیق چھپائیں گے۔

سطور گذشتہ میں آپ نے دیکھا کہ کربلا کے دلدوز واقعہ کے بعد تقریباً تین سال کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے داعیوں نے اہل مدینہ کو بغاوت کیلئے اکسایا تو محمد بن حنفیہ نے یزیدؒ کی حکومت اوران کے اوپر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دیا۔امیر یزید پر لگے ہوئے الزامات کا ازالہ کیا۔نہ خود بغاوت میں شامل ہوئے اور نہ اپنی اولاد کو اجازت دی۔اگر محمد بن حنفیہ کے نزدیک کربلا میں یزید نے قتلِ حسین کروایا ہوتا تو کیا محمد بن حنفیہ دفاع یزید کرتے۔ بلکہ ان کو موقع تھا کہ بغاوت ہو جائے تو یزید کا تخت شاہی متزلزل ہو جائے گا پھر ہم لوگ بھی جم کر انتقام لے لیں گے۔پھر آپ نے دیکھاں کہ حضرت زین العابدین نے حرّہ سے لوٹنے والے حضرت یزید کے لشکروں کے گھوڑوں کیلئے دانہ چارہ کا انتظام کیا۔بلکہ آپ نے یہ بھی دیکھا کہ جب حرّہ کا واقعہ ہوا تو ایک بھی علوی ہاشمی۔خاندان ابوطالب کا کوئی فرد،عبدالمطلب کے گھرانے سے بغاوت پر آمادہ نہ ہوا بلکہ لشکر حضرت یزید کو مدینے میں داخل کروا کر باغیوں سے لڑنے میں مدد کی ۔یہ تمام واقعات کیا اس حقیقت کا انکشاف نہیں کرتے کہ کربلا میں ایسا کچھ نہ ہوا جس سے حضرت یزیدؒ کو موردالزام قرار دیا جائے۔بلکہ حضرت حسین وہ کر رہے تھے جو وہ مناسب سمجھ رہے تھے اور حضرت یزید کو یہ سب مجبوراً کرنا پڑا۔رہا قتل کا معاملہ تو سب بکواس ہے خرافات ہے۔نہ آپ نے قتل کا حکم دیا۔نہ قتل پر راضی ہوئے اور نہ ہی خوش ہوئے۔

بنو ہاشم اور بنوامیہ کی قرابتیں

ہاشمیوں اور علویوں کی بنوامیہ کے خلاف جو کذب بیانی اور افترا پردازی کی جو وضعی داستانیں ہیں سب کے سب مکذوبہ ہیں جب ہم دونوں کے مابین کربلا سے پہلے اور کربلا بعد بھی باہمی رشتہ داریاں دیکھتے ہیں جو آغاز زمانہ سے لے کر صفین و کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد تک بدستور جاری رہیں۔ اگر اموی خلیفہ ایسے ہی تھے جیسا کہ سبائی روائتیں بتلاتی ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہاشمی اور علوی اپنی بیٹیاں ان کو بیاہتے اور اپنے ہاں بیاہ کرلاتے۔

صفین و کربلا کے بعد کی قرابتیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تین بیٹیاں بنی امیہ کو بیاہی گئیں حضرت علی بیٹی رملہ امیر المومنین مروانؓ کے فرزند معاویہ بن مروان کے عقد میں آئیں جو امیر المومنین عبدالملک کے سگے بھائی تھے (جمہرۃ الانساب ابن جزم ص ۸۰) حضرت علیؓ کی دوسری بیٹی خود امیر المومنین عبدالملک رحمہ اللہ کے عقد میں تھیں (البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۶۹) حضرت علیؓ کے تیسری بیٹی خدیجہ امیر عامر بن کریز ا اموی کے بیٹے عبدالرحمٰن کو بیاہی گئیں (ص ۶۸ جمہرۃ الانساب لابن جزم)۔ حضرت علیؓ کے بڑے بیٹے حضرت حسنؓ کی ایک دونہیں بلکہ چھ پوتیاں اموی خاندان میں بیاہی گئیں۔ سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسنؓ کی شادی امیر المومنین الولید بن عبدالملک بن مروانؓ سے ہوئی جن کے بطن سے ان اموی خلیفہ کی اولاد بھی ہوئی جو حضرت حسنؓ بن علیؓ کے اموی و مروانی نواسے تھے ۲) حضرت حسن بن علیؓ کی دوسری پوتی زینب بنت حسن مثنی کی شادی بھی اسی اموی و مروانی خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروانؓ سے ہوئی (جمہرۃ الانساب بن حزم ص ۳۶) یہ زینب حضرت محمد (الباقر) کی سالی اور عبداللہ المحض کی حقیقی بہن تھیں۔ واضح رہے کہ ان زینب کے والد حسنؓ مثنی واقعہ کربلا میں اپنے چچا اور خسر حضرت حسینؓ کے ساتھ موجود تھے۔ اور معرکۂ قتال و جدال میں شریک ہوکر بہت زیادہ زخمی ہوئے تھے اور زخم مندمل ہونے کے بعد صحیح سلامت واپس آئے تھے۔ ۳) حضرت حسن بن علیؓ کی تیسری پوتی امّ قاسم بنت حسن مثنی حضرت عثمانؓ کے پوتے مروان بن ابانؓ کو بیاہی گئیں جن کے بطن سے حضرت حسن کے عثمانی و اموی نواسے محمد بن مروان عثمانی پیدا ہوئے۔

اپنے شوہر مروانؒ کے انتقال کے بعد یہ ام قاسم حضرت علی بن حسینؒ (زین العابدین) کے عقد میں آئیں (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۳۷ و کتاب المجر ص ۴۳۸)

۴) حضرت حسن بن علیؓ کی چوتھی پوتی امیر المومنین مروانؒ کے ایک فرزند معاویہ بن مروان بن الحکم کے عقد میں آئیں جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے اموی و مروانی نواسہ ولید بن معاویہ مذکور متولد ہوئے (ص ۸۰، و ص ۱۰۰ جمہرۃ الانساب لابن حزم)

۵) حضرت حسن بن علیؓ کی پانچویں پوتی حمادہ بنت حسن مثنی امیر المومنین مروانؒ کے ایک بھتیجے اسمٰعیل بن عبدالملک بن الحارث بن الحکم کو بیاہی گئیں۔ان سے حضرت حسنؓ کے تین اموی نواسے متولد ہوئے یعنی محمد الاصغر، ولید اور یزید فرزندان اسمٰعیل مذکور (جمہرۃ الانساب ص ۱۰۰ الابن حزم)

٦) حضرت حسنؓ بن علیؓ کی چھٹی پوتی خدیجہ بنت الحسین بن حسن بن علیؓ کی شادی بھی اپنی چچیری بہن حمادہ کے نکاح سے پہلے اسماعیل بن عبدالملک مذکور سے ہوئی تھی جن کے بطن سے حضرت حسن کے چار اموی نواسے محمد الاکبر و حسین و اسحٰق و مَسلَمَہ پیدا ہوئے (ص ۱۰۰، جمہرۃ الانساب بن حزم)

حضرت علیؓ کثیر الازدواج و کثیر الاولاد تھے۔اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں یعنی ۳٦ اولادیں مختلف ازواج اور کنیزوں کے بطنوں سے ہوئیں۔حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد ۲۹ سال بقید حیات رہے۔اس عرصہ میں ۲۹ خاتونوں اور ام ولد کو زوجیت میں لائے۔وفات کے وقت چار بیویاں اور ۱۹ ام ولد چھوڑیں (الملل و النحل ابن حزم) شیعہ مورخ ونساب مئولف عمدۃ الطالب فی انساب ابی طالب ص ۴۴ میں یہی نقل کرتا ہے۔دختران علیؓ زیادہ تر بنوجعفر، بنوعقیل، بنوعباس و بنومروان کی زوجیت میں آئیں۔(المعارف ابن قتیبہ ص ۹۲، جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۳۳) اور جمہرۃ الانساب ص ۳۳ میں ہے کہ ان بنات علیؓ میں سے اسی طرح عبدالملک بن مروانؒ نے شادی کی، ان رشتوں سے جو بنی امیہ سے ہوئے بالبداہت ثابت ہے کہ بنی امیہ و بنی ہاشم کے

ان دونوں خاندانوں میں جو دو حقیقی بھائیوں کی اولادیں ہیں نہ کوئی خاندانی عداوت تھی، نہ نسلی مغایرت اور مذھبی و

سماجی و معاشرتی اختلاف۔ حضرت علیؓ و حضرت حسینؓ کے یہ داماد علم و عمل و سیرت و کردار کے اعتبار سے یقیناً ایسا بلند اور ممتاز درجہ رکھتے تھے کہ ہاشمیہ خواتین اور امام زادیاں یکے بعد دیگرے ان کے عقد میں آتی رہیں۔ قرابتوں کی ان تفاصیل کو پڑھنے کے بعد کیا اب بھی عمر صدیق یہی رٹ لگائیں گے کہ کربلا کے حادثے کے بعد یزید کے ساتھ اہل بیت کی رشتہ داری ثابت کرو۔ یہ تمام تفاصیل مولانا محمود عباسی کی کتاب خلافت معاویہ و یزید سے ماخوذ ہیں۔

اولاد حسین کی قرابتیں

اب حضرت حسینؓ کی اولاد کی چند قرابتوں کا مطالعہ فرمائیں ۱) حضرت حسین کی مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہؓ نے اپنے شوہر مصعب بن زبیرؓ کے مقتول ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد اپنا ایک نکاح اموی اور مروانی خاندان میں امیر المومنین مروانؓ کے پوتے الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروانؓ سے کیا' امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کے بھائی تھے'ان کی کنیت ابو زیان تھی اور ان کی دوسری زوجہ امیر المومنین یزیدؒ کی دختر اُم یزید تھیں (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۹۶، ۹۷ و کتاب المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۴ و کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹)

۲) سیدہ سکینہ دختر حسینؓ کا ایک نکاح حضرت عثمان ذی النورینؓ کے پوتے زید بن عمر بن عثمان سے ہوا تھا۔ پھر اس اموی شوہر سے علیحدگی ہو گئی تھی (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۳ جمہرۃ الانساب صفحہ ۹۷، کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹ و کتاب المجر صفحہ ۴۳۰)

۳) حضرت حسینؓ کی نواسی ربیحہ بنت سیدہ سکینہ جو ان کے شوہر عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم سے تھیں۔ امیر المومنین کے پر پوتے العباس بن الولید بن عبدالملک بن مروان کو بیاہی گئی تھیں (ص ۵۹ کتاب نسب قریش مصعب زبیری)۔ غور طلب ہے کہ ان اموی بزرگ کا نام عباس اور ہاشمی بزرگ عبداللہ بن جعفر کے فرزند کا نام معاویہ اور ان کے فرزند کا نام یزید تھا۔

۴) حضرت حسین کی دوسری صاحبزادی سیدہ فاطمہ کا نکاح ثانی اپنے شوہر حسن مثنی کے بعد اموی خاندان میں عبداللہ عمر بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوا جس سے حضرت حسینؓ کے دو اموی و عثمانی نواسے محمد الاصغر و قاسم اور ایک نواسی رقیہ پیدا ہوئے (جمہرۃ الانساب ص ۷۶ و مقاتل الطالبین ص ۱۸۰ و کتاب نسب قریش ص ۵۹)

۵) حضرت حسینؓ کے ایک پر پوتے حسن بن حسینؓ بن علی بن الحسین کی شادی اموی خاندان میں خلیدۃ بنت مروان بن عمبر بن سعد بن العاص بن امیہ سے ہوئی تھی۔ اس امویہ خاتون کے بطن سے حضرت حسینؓ کے دو پر

پوتے محمد وعبداللہ فرزندان حسن مذکور ہوئے (جمرۃ الانساب ص ۷۵ کتاب نسب قریش صفحہ ۷۴)

۶) حضرت حسینؓ کے ایک اور پرپوتے اسحٰق بن عبداللہ الارقط بن علی بن الحسینؓ کی شادی اموی وعثمانی خاندان میں سیدہ عائشہ بنت عمر بن عاصم بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت حسینؓ کے عثمانی پرپوتے یحییٰ بن اسحٰق مذکور ہوئے (جمہرۃ الانساب ص ۷۴ کتاب نسبِ قریش ص ۶۵)

قارئین کرام سے معذرت خواہ ہوں کہ اس سے کئی گنا زیادہ تفصیلات ہمارے پاس ہیں جو خاندان اہل بیت اور مروانی و امیہ خاندان رشتہ داری میں منسلک ہوئے اور ان سے نسل چلی پھر عمر صدیق کے اس دعوے کی کیا دلیل ہے کہ کربلا کے بعد یزید سے اہل بیت نے رشتہ داری نہ کی۔ اگر وقت نے ساتھ دیا تو ان شاء اللہ ان تمام رشتہ داریوں کو ایک کتاب میں جمع کروں گا۔ اب ہمارا مطالبہ عمر صدیق سے یہ ہے کہ ان کتابوں کے برابر پانچ پانچ ہزار روپے کے نوٹ تول کر دیں یا پھر توبہ کر کے رجوع فرمائیں اور آئندہ خاندان اہل بیت اور بنو مروان و بنو امیہ کے مابین بغض وعناد کا اظہار نہ فرمائیں۔

عمر صدیق کا شیعی طرز خطاب

اس کے بعد عمر صدیق فرماتے ہیں ''اور میں آٹھ سال سے یہ کہہ رہا ہوں کہ پاک میں رافضیت پھیلنے کا صرف ایک سبب ہے کہ تم نے حسینؓ کو چھوڑ دیا۔ اگر تم حسینؓ کے ساتھ ہوتے تو ان لوگوں کو پھیلنے کا موقع نہ ملتا۔'' عمر صدیق کی اس بات میں تضاد پایا جا رہا ہے اس لئے کہ اگر یہ صحیح ہو کہ حضرت حسین کو چھوڑنے کا مطلب رافضیت کا فروغ ہے تو رافضیوں نے تو حضرت حسین کو نہیں چھوڑا۔ انہوں نے تو حضرت یزید کو چھوڑا اور بنو امیہ کو چھوڑا اور اس مقدس کام میں بھی تو آپ روافض کے ساتھ ہیں آپ اور شیعہ دونوں ہی دشمن یزید اور دشمن صحابہؓ ہیں۔ اس لئے کہ صحابہ کرام نے ہی تو یزیدؒ کو منصب خلافت پر فائز کیا اور ان کے ساتھ تعاون بھی کیا۔ پھر آپ حضرت یزیدؒ کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ تمام صحابہ تو امارت و امامت یزید پر متفق تھے۔ رہے حسینؓ تو وہ بھی منکر نہ تھے بلکہ انہوں نے تو اگلے دن مجمع عام میں بیعت کرنے کا وعدہ کیا تھا پھر اگلے دن حکام اور حضرت حسینؓ کا آمنا سامنا نہ ہو سکا۔ پھر وہ مکہ چلے گئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بیعت کے مخالف تھے اور عمر صدیق کو صحابہ کے ساتھ ہونا چاہیئے نہ کہ صرف حضرت حسین کے ساتھ۔ حسینؓ کے ذاتی تحفظات تھے ان کی ترجیحات تھیں۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صرف حسینؓ کے موقف کو اختیار کرنا اور تمام صحابہ کو چھوڑ دینا رافضیت ہے یا دونو کی مواقف کو اختیار کرنا۔

کیا چودہ صدیوں میں کسی نے یزید کی تعریف نہ کی؟

آگے موصوف فرماتے ہیں کہ ''یزید کے بارے میں جو انتقامی موقف ہے۔سب سے پہلی بات چودہ صدیوں میں صرف کسی ایک ۔۔کا نام بتادو جس نے یزید کی تعریف میں صرف ایک نقطہ لگایا ہو'' ۔ پھر کچھ دور جا کر دعویٰ کیا اور کہا کہ '' جو بات میں کروں گا۔میرا معیار قران وحدیث ہے اور میرا معیار آرائے سلف اور محدثین ہے۔میں نے ایک بات کہی کہ محدثین میں کوئی ایک جس نے یزید کی تعریف میں ایک نقطہ لگایا ہو۔علم دوسری بات ۔ائمہ محدثین میں سے کسی نے اگر یزید کو رحمہ اللہ کہا ہو'' ۔

جواب ۔میں کہتا ہوں کہ طبری کے راوی ابی مخنف لوط بن یحییٰ کی روایات کے مدون اور مولف ہونے سے قبل خیر القرون میں حضرت یزید کے تعلق سے اس قسم کے منفی رجحانات ومیلانات قطعاً نہیں پائے جاتے اور اسی لئے حرّہ کی بغاوت یعنی مدینہ کے باغیوں کے خلاف خود ہاشمیوں اور قریشیوں نے بھی ان باغیوں کا ساتھ نہ دیا بلکہ کوئی بھی اس بغاوت میں شامل نہ ہوا بلکہ حرّہ کی بغاوت کچلنے کے بعد حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے لشکر حضرت یزید کے گھوڑوں کے لئے دانہ چارہ کا انتظام کیا اور ان کے قیام کا انتظام کیا اور گزشتہ مضمون میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ مروانی اور بنی امیہ کے ساتھ اہل بیت کی رشتہ داریاں بھی بے شمار ہوئیں اور محدثین نے بھی حضرت یزید کا ذکر خیر کیا۔ بلکہ تمام صحابہ کرام نے حضرت یزید کی بیعت ولی عہدی اور بیعت خلافت کی۔چار سال تک سب نے حکومت میں تعاون کیا اور جہاد کئے۔یہ سب کیا مقرر موصوف کو نظر نہیں آتا؟ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب منہاج السنہ میں ان حقائق ومعارف کو واضح فرمایا ہے۔

نیز امام ابوبکر ابن العربی نے اپنی کتاب میں دفاع حضرت یزید میں دلائل قائم فرمائے اور آپ کہتے ہیں کہ چودہ صدیوں میں ایک بھی محدث نے اگر تعریف یزید میں ایک نقطہ بھی نہیں لگایا۔ہم کہتے ہیں

کہ خیر القرون کے صحابہ نے تو ان کی خلافت کو ہی تسلیم کیا تھا۔ پھر حضرت حسین بھی تو کوفیوں کی بغاوت کے بعد حضرت یزید کی بیعت پر آمادہ تھے۔ بیعت سے مراد رسم بیعت ہے ورنہ بیعت میں تو وہ پہلے ہی سے شامل تھے۔ اپنی کتاب ضرب شدید بر مذمت یزید میں ہم نے درجنوں محدثین، مورخین اور علماء وفقہا کے اقوال پیش کئے ہیں جنہوں نے حضرت یزید رحمہ اللہ کو امارت غزوۂ قسطنطنیہ کی وجہ سے مرحوم ومغفور مانا ہے خود حافظ ذھبی، ابن حجر عسقلانی، عینی اور شیخ ابن تیمیہؒ نے اسی امارت غزوۂ قسطنطنیہ کی بنا پر یزید کو ناجی اور مرحوم ومغفور مانا ہے بلکہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے تو اپنی شرح بخاری اور تاریخ البدایہ میں امارت غزوۂ قسطنطنیہ کو دلائل نبوت میں سے قرار دیا ہے۔ آپ کو آخر کیا ہو گیا ہے جو آپ اتنے محدثین ومورخین کی حضرت یزید رحمہ اللہ کے تعلق سے آراء وافکار کا انکار کرنے کی جسارت بے جا کرتے ہیں؟ رہی یہ بات کہ علماء نے ان کو رحمہ اللہ کہنے کا انکار کیا ہے تو یہ صریح غلطی ہے۔ تمام مورخین نے ان کو امیر المومنین تسلیم کیا ہے اور علامہ ابن تیمیہ نے تو اپنی منہاج السنہ میں ان کو امام اور امیر المومنین ثابت کرنے کے دلائل کا انبار لگا دیا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ تو شیخ ابن تیمیہ کو ناصبی نمبر۲ جیسی بدترین اصطلاح سے مخاطب کرنے کی حرکت نازیبا کے مرتکب ہیں۔ آپ کیسے اہلحدیث ہیں کہ شیخ ابن تیمیہؒ جیسے علم کے بحر ذخار کو بھی نہیں بخشتے یہ تو خارجیت ہے۔ حوارج بھی انتہائی بے باک بدتمیز اور ضدی ہوا کرتے تھے اور اپنی باتوں کے سامنے کسی کی نہ سنتے تھے حتی کہ حضرت علیؓ اور صحابہ کرام کے سامنے بھی جسارت بے جا کے مرتکب ہوتے تھے۔

آپ تو ایسے ہیں کہ حضرت امیر یزید کے تعلق سے چاہے کتنے ہی دلائل موجود ہوں لیکن آپ تو مذمت یزید کی گویا قسم کھائے بیٹھے ہیں۔ آپ اور آپ جیسے لوگوں کا حال یہ ہے کہ جن اکابر کی آراء وافکار کو آپ حضرات مذمت یزید میں پیش کرتے ہیں ان ہی علماء ومحدثین کی موافقت یزید والے دلائل کو خاطر میں قطعی نہیں لاتے بلکہ صاف مکر جاتے ہیں اور ایسا اس لئے کیونکہ یزید کے بارے میں پہلے ہی سے منفی رائے قائم کر لی گئی ہے۔ تو جب منفی رائے قائم کرنے کے بعد تحقیق کی جائے تو مثبت پہلو تو ان کو مشکوک ومخدوش ہی معلوم ہوں گے۔

مدینے پر حملے کی غلط تفصیلات پیش کیں

اس سلسلے میں موصوف فرماتے ہیں ''سب سے پہلے حسینؓ اور اہل بیت کا قتل ہوا۔ دوسرا ظلم ۶۳ھ میں مدینے پر حملہ ہوا۔ ۷۰۰ صحابہ کو قتل کرایا اس ظالم نے۔ تم حسین کی بات کرتے ہو۔ قسم اللہ کی تین دن تک مسجد رسول میں

نہ اذان ہوئی نہ نماز ہوئی اور کسی کافر نے مسلمانوں پر آج تک وہ ظلم نہ کئے جو اس پلید نے مسلمانوں پر ظلم کروائے۔آج تک نہیں ہوئے۔جب یہ مسجد نبوی بنی ہے تب سے لے کر آج تک بے شمار صحابہ کو قتل کیا گیا۔بے شمار تابعین کو قتل کیا گیا لوٹا گیا مدینہ کو۔ایک ہزار عورتوں کے ساتھ جبری زنا کیا گیا۔ایسے ایسے پلید کام کئے گئے کہ جن سے انسانیت بھی شرمندہ ہے''

جواب۔ ان ہفوات کا اگر ہم چاہیں تو جواب نہ دیں اس لئے کہ موصوف نے ان تفصیلات کے دلائل پیش نہ کئے اور نہ اسناد کو۔محض الزامات کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے پھر بھی ہم قارئین کرام کی افادیت کے لئے کچھ عرض کئے دیتے ہیں۔ویسے اس سلسلے میں ہماری کتاب ضرب شدید بر مذمت یزید بن معاویہ مفید رہے گی لیکن یہاں ہم کچھ اضافہ کرتے ہیں۔

''مدینہ کی حرمت کی پامالی سے اگر یہ مراد ہے کہ اہل مدینہ کی بغاوت پر فوجی قوت استعمال کی گئی تو یہ درست ہے لیکن اس میں یزید کا کیا قصور ہے؟ یزید نے تو اہل مدینہ کے ساتھ وہی کیا جو اس سے قبل علی رضی اللہ عنہ نے اہل جمل و اہل صفین کے ساتھ کیا' یاد رہے کہ عام طور پر اہل جمل و اہل صفین کے خلاف علی رضی اللہ عنہ کی کارروائی کو برحق بتلایا جاتا ہے اور ان کے مخالفین کو اجتہادی خطاء کا مرتکب گردانا جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں بالکل یہی معاملہ یہاں بھی ہے،اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی اور یہ ان کی غلطی تھی۔پھر یزید بن معاویہ رحمہ اللہ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے تو مجبوراً یزید رحمہ اللہ کو ان کے خلاف فوجی قوت استعمال کرنی پڑی،اب اس میں یزید کا کیا قصور ہے؟

اگر اہل جمل وصفین کے خلاف علی رضی اللہ عنہ فوجی قوت استعمال کر سکتے ہیں تو اہل مدینہ کے خلاف یزید فوجی قوت کیوں نہیں استعمال کر سکتے ہیں؟ ہم تو کہتے ہیں کہ یزید رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم کی پیروی کی اور علی رضی اللہ عنہ ہی کی سنت کو دہرایا۔اب اگر یہ اقدام غلط تھا تو یہی غلطی یزید سے قبل علی رضی اللہ عنہ سے بھی سرزد ہوئی ہے اور اگر علی رضی اللہ عنہ کی کارروائی درست تھی تو یزید کا طرز عمل بھی

بالکل درست تھا۔ یاد رہے کہ اہل جمل واہل صفین جن پر علی رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا تھا وہ ان اہل مدینہ سے کئی گنا افضل وبہتر تھے جن پر یزید نے حملہ کیا بلکہ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ اہل مدینہ میں سے جس گروہ نے یزید کی مخالفت کی تھی اس گروہ میں ہمارے ناقص علم کی حد تک کسی ایک بھی صحابی کی شمولیت صحیح سند سے ثابت نہیں ہے اور یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ کبار صحابہ میں سے کسی ایک بھی صحابی نے اہل مدینہ کا ساتھ نہ دیا۔

عبدالملک بن حسین العصامی المکی (المتوفیٰ ۱۱۱۱) فرماتے ہیں ''یزید کی بیعت توڑنے میں اہل مدینہ کی موافقت کبار صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کی تھی (سمط النجوم العوالی فی انباء الا وائل التوالی ۲۰۲/۳)۔موافقت تو دور کی بات ہے صحابہ کرام سے اہل مدینہ کے اس طرز عمل کی مذمت ثابت ہے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت آگے آرہی ہے۔

الغرض جب علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کھڑے ہونے والے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنھم بلکہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کا طرز عمل غلط ہوسکتا ہے تو یزید کے خلاف کھڑے ہونے والے اہل مدینہ کا طرز عمل کیو غلط نہیں ہوسکتا؟ اہل مدینہ کا طرز عمل غلط تھا اس بات کی دلیل وہ تمام تر روایات ہیں جن میں حکام کے خلاف خروج سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ایک عظیم صحابی اور فقیہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی احادیث کو اہل مدینہ کے طرز عمل پر منطبق کیا اور ان کے اقدام کو باغیانہ تصور کیا اور انہیں یزید کی بیعت پر باقی رہنے کا حکم دیا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ بیان کا محتاج نہیں ہے خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری صراحت کے ساتھ انہیں نیک اور دیندار قرار دیا ہے چنانچہ بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ نیک آدمی ہیں (بخاری رقم ۳۸٤،مسلم رقم ۲۴۷۸)

یہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ یزید رحمہ اللہ کی مخالفت نہ کی بلکہ یزیدؒ کے مخالفین سے اظہار برأت کیا اور ان تمام لوگوں سے رشتہ ناتا ترک کرنے کا اعلان کیا جو لوگ یزیدؒ کی مخالفت سے باز نہ آئیں چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔نافع روایت کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں اور بچوں کو اکھٹا کیا اور کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر وعدہ توڑنے والے کے لئے قیامت میں جھنڈا نصب کیا جائے گا اور ہم اس (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق کر چکے ہیں۔میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے وفائی ہوسکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق ہو جائے پھر اس سے جنگ کی جائے تم میں سے جو شخص یزید کی بیعت توڑ دے گا اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرا اس سے کوئی رشتہ باقی نہین رہے گا (صحیح بخاری رقم ۷۱۱۱)

بلکہ ربیبہ رسول زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا جو اپنے دور میں مدینہ کی عورتوں میں سب سے بڑی عالمہ وفقیہہ تھیں' ان کے ایک لڑکے نے یزید کے خلاف اہل مدینہ کا ساتھ دیا اور اہل شام کے ہاتھوں قتل ہوا تو ان کی یہ فقیہہ ماں اس (لڑکے) کے سوئے خاتمہ (برے انجام) سے ڈرتی تھیں۔چنانچہ امام خلیفہ بن خیاط (المتوفی ۲۴۰) رحمہ اللہ نے کہا کہ حسن بصری تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرّہ کے دن زینب ربیبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بیٹے قتل کر دئے گئے۔ان دونوں کو ان کے پاس لایا گیا تو انہوں نے کہا اناللہ وانا الیہ راجعون! ان دونوں بیٹوں کی موت سے مجھ پر کتنی سخت مصیبت نازل ہوئی ہے! اور میرے اس بیٹے کی مصیبت تو میرے اس دوسرے بیٹے کی مصیبت سے بھی زیادہ ہے کیونکہ اس نے اس لڑائی میں حصہ لیا اور قتل کیا گیا۔میں اس کے سوء خاتمہ سے ڈرتی ہوں لیکن میرے اس دوسرے بیٹے نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا پھر بھی قتل ہو گیا مجھے اس کے بارے میں اچھی امید ہے (تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۲۳۹ واسنادہ صحیح) غور کریں مدینہ کی یہ عظیم فقیہ اپنے اس بیٹے کی موت کو بڑی مصیبت بتا رہی ہیں اور اس کے سوء خاتمہ (برے انجام) سے ڈر رہی ہیں جس نے یزید کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا تھا۔

الغرض یہ کہ مدینہ میں جو کچھ ہوا اس کے اصل ذمہ دار خود اہل مدینہ ہی تھے لیکن چونکہ اہل مدینہ کی یہ غلطی تھی اس لئے اہل مدینہ کو تکلیف دینے سے متعلق وعید والی جو احادیث ہیں وہ ان پر فٹ نہیں ہونگی۔ رہی بات یہ کہ اہلِ شام نے جب مدینہ پر حملہ کیا تو تین دن تک خوب لوٹ مار کی اور بے شرمی اور بے حیائی کی انتہا کردی تو یہ ساری باتیں مکذوبہ ہیں ان میں سے کچھ ثابت ہی نہیں

مظالم حرّہ کی حقیقت

رہی یہ بات کہ بے شمار صحابہ وتابعین کو قتل کیا گیا۔ تین دن تک مسجد نبوی مین نماز نہ ہوئی اور جبری زنا سے ایک ہزار عورتوں کے حمل ٹھہرے تو ان تمام خرافات کا حوالہ موصوف نے نہ دیا اور بے سند اس کو ذکر کیا۔ ذمہ داری تو ان پر اس کے اثبات کی ہے لیکن ہم ہنوز اس کی قدرے تردید وتغلیط کئے دیتے ہیں۔ ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ و النہایہ میں لوط بن یحیٰ اور ھشام کلبی کی روایات مکذوبہ (جھوٹی روایات) کے ذریعہ یہ دعویٰ کیا کہ حرّہ کے واقعہ میں ہزار عورتوں کے ناجائز حمل ٹھہرے بلکہ انہوں نے بچوں کو پیدا کیا۔ واقعہ حرّہ کے ضمن میں عورتوں کی عصمت دری کے تعلق سے قدیم کتب تواریخ میں تو کچھ نہیں ملتا جیسے طبری لوط بن یحیٰ اور ابن کلبی کی روایات تحریر کی ہیں لیکن عورتوں کی عصمت دری کی کوئی روایات نہیں۔ یوں ہی الامامہ والسیاسہ کے غالی مولف نے بھی کچھ نہ تحریر کیا اور بلاذری نے بھی انساب الاشراف میں اس کا ذکر نہ کیا۔ صرف ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ میں ابن کثیر نے ایک بے سند روایت بیان کی ہے تو یہ قطعی بے سند سمجھی جاتی ہے۔ یہ مورخانہ بددیانتی کا ایک حربہ ہے کہ قیل کہہ کر جھوٹ کے انبار لگادو اور لوگوں کو گمراہی کے راستے پر ڈال دو میں کہتا ہوں کہ ابن کثیر کو کیا پڑی تھی کہ مدینہ کی مقدس عورتوں کے بارے میں اتنی گندی اور رسوا کن خبر قیل کہہ کر بیان کردی اور قیامت تک کے لئے مسلمانوں کی شرافت ونجابت کو داؤں پر لگا دیا اور پھر اس روایت کو نقل کیا تو ایک مجہول راوی ابن فرّہ کے ذریعہ جس کے پائے کا کوئی اعتبار نہیں۔ مودودی نے تو اس روایت کو لکھتے وقت راوی کا نام ہی تحریر نہ کیا کہ کہیں محققین کو اس روایت کو غلط قرار دینے کا موقع نہ ہاتھ آجائے اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد واللہ اعلم کہہ دیا۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ اگر ابن کثیر واللہ اعلم کہہ کر روایت بیان کریں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ مودودی نے تو واللہ اعلم بھی نہ کہا اور ابوزید ضمیر نے بھی اپنی تقریر میں اسی کو ذکر کردیا۔

سوچنے والی بات ہے

سوچنے والی بات ہے کہ مسلم فوج کیا اپنے مسلمان بھائیوں کے شہر میں اور وہ بھی شہر رسول میں ایسا وحشتناک حملہ کرسکتی ہے؟ عورتوں کی عصمت دری کرسکتی ہے؟ جہاں صحابہ' تابعین' تبع تابعین اور انصار ومہاجرین رضی اللہ عنھم کے خاندان سکونت رکھتے ہوں۔ کیا بنی امیہ کا یہ پہلا حملہ تھا؟۔ اس سے قبل انہوں نے متعدد مما لک پر حملے کیئے۔ کیا کسی بھی ملک یا شہر میں یہ فوجی اتنی بڑی ہلاکت و بربرادی لائے! پھر کیا یہ فوج شہر رسول میں اپنی ماؤں اور بہنوں کی عصمت دری کرسکتی ہے؟ مورخین اقوام یہ کہہ سکتے ہیں کہ کیا مسلمانوں کے نبی کی یہی تربیت تھی کہ بس ۵۰ سال کے اندر ہی مسلمان اتنے گندے، وحشی، بربر اور سفاک بن گئے کہ غیر تو غیر خود اپنوں کے لئے ہلاکو اور چنگیز خان کے نمائندے اور موذی بن گئے۔

دوسری طرف اگر اس مجہول راوی کی خبر صحیح مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہزار حاملہ عورتوں کی با قاعدہ رپورٹ تیار کی گئی تھی؟ کیا راوی نے کوئی ڈپارٹمینٹ کھول رکھا تھا کہ عورتوں سے پوچھا جائے کہ تمہارا حمل جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس سے بڑی بات یہ کہ پوری ایک ہزار عورتین ہی حاملہ ہوئیں نہ کم نہ زیادہ نہ کسی کو اسقاط ہوا نہ کوئی حمل ضائع ہوا۔ گویا کہ پوری ولد الزنا قوم صحیح سلامت پیدا ہوکر پروان چڑھی۔ اگر ان خرافات کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اس وقت دنیا میں جو علوی، حسنی، صدیقی، فاروقی، زبیری، قریشی نسل کے افراد موجود ہیں اور اپنے حسب ونسب پر فخر بھی کرتے ہیں، ان سب کا نسب مشکوک ومشتبہ ہے کہ وہ یہ ثابت نہ کردیں کہ ان کی جدۂ محترمہ اس وقت اس حادثہ فاجعہ یعنی حرّہ میں موجود نہ تھیں۔ ہم عمر صدیق، ابوزید ضمیر مودودی اور شیعی فکر کے حاملیں سے سوال کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی ان عورتوں کے بطنوں سے شہر کے نجیب اور شریف خاندانوں کی کون سی نسلیں چلیں؟ اور یہ بھی بتائیں کہ کتب انساب جو اس زمانہ میں مرتب ومدون ہوئیں، ان میں ان کا ذکر ہے یا نہیں؟

پھر سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرنے والے تمام ہاشمی' علوی صدیقی، فاروقی ،قریشی اور انصاری سب کے سب پست ہمت، بزدل اور دنی الطبع تھے کہ اس ذلت کو برداشت کرلیا اور اپنی عورتوں کی عزت وعصمت کی حفاظت کرنے کے بجائے صرف اپنی جانیں بچائیں اور مقابلے سے گریز کیا؟ اگر بقول راوی دس ہزار آدمی شہید ہوئے تو گلی کوچوں میں کم سے کم اتنے ہی قتل ہوئے ہوتے۔

علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں کذاب اور شیعی راویوں لوط بن یحییٰ اور بن کلبی کے حوالے سے کچھ شیعیت زدہ تفصیلات پیش کی ہیں اور وہی مظالم شمار کروائے ہیں جو عمر صدیق نے پیش کئے ہین لیکن شیعہ تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ گروہ صحابہ، تابعین وتبع تابعین کو مطعون و بدنام ثابت کیا جائے اوران کا دامن عفت وعصمت داغدار ثابت ہو۔کوئی سوچ سکتا ہے کہ یزید رحمہ اللہ حضرت مسلم بن عقبہؒ کو اہل مدینہ کا کھلے بندوں قتل کرنے کا حکم دیں اور خیر القرون کا یہ لشکر باشندگان مدینہ کے خلاف جارحانہ وظالمانہ کارروائی کرے!ابن کثیر نے یہ بھی کہا کہ یزید نے ابن زیاد کے ذریعہ حسینؓ اور آپ کے اصحاب کو قتل کروایا اور صحابہ کو بھی قتل کروایا جبکہ یہ قطعی غلط ہے۔ابن تیمیہ اور دوسرے محققین نے اس کشت وخون کی تردید کی ہے اس لئے کہ پیش کردہ یہ تاریخی روایات شیعی اور کذاب راویان تاریخ کی ہیں جو اس باب میں نا قابل اعتبار ہیں۔ابن کثیر نے ان ہی شیعی راویوں کے ذریعہ یہ بیان کیا ہے کہ یزید نے مسلم بن عقبہؒ کو بھیج کر اپنی حکومت اور اقتدار کو مضبوط کرنا چاہا کہ اس کی حکومت کو دوام حاصل لیکن اللہ نے اس (یزید) کے ارادے کے خلاف ان کو سزادی اور اس کے ارادے کے درمیان (اللہ) حائل ہوگیا۔اللہ نے اس کو ہلاک کردیا اور اس نے غالب کی طرح گرفت کی اور اس کی گرفت بڑی مضبوطی ہوتی ہے۔

ہم مورخ موصوف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ کیا حضرت یزید امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین نہ تھے؟ کیا صحابہ کرام کے منتخب کردہ نہ تھے؟ کیا تقریباً چار سال تک صحابہ کرام نے ان کی حکومت کے ساتھ تعاون نہ کیا؟ پھر کیا اس طویل مدت میں قتل حسینؓ کے نام پر کسی نے کوئی شورش یا بغاوت کی؟ پھر اچانک یہ کیا ہوگیا کہ کچھ لوگ بغاوت پر آمادہ ہوگئے؟ دراصل حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے مخالفت کا ماحول پیدا کیا تاکہ یزید کی حکومت کا خاتمہ ہو اس نازک صورت حال میں کیا امیر المومنین حضرت یزید باغیوں کو بغاوت کرنے دیتے اور خود حکومت سے دستبردار ہوجاتے؟ جبکہ امیر المومنین حضرت یزید رحمہ اللہ پر حکومت کی حفاظت اور شورش وھنگامہ کا خاتمہ لازم وملزوم تھا۔

جو خلیفہ موصوف نے انجام دیا۔ پھر مورخ موصوف ابن کثیر کے اس بیان کا کیا معنی ہے کہ یزید اپنی حکومت کا دوام چاہتا تھا لیکن اللہ نے اس کو سزا دی اور اسکو ہلاک کیا۔ ہمارا سوال ہے کہ اللہ حضرت یزید کو کیوں ہلاک کرتا اور کیا ایک امیر کے ہوتے دوسرے کو اپنی امارت قائم کرنے کا حق ہے؟ پھر کیا امیر کے خلاف خروج جائز ہے؟ کیا امیر کو حکومت کے تحفظ کے لئے باغیوں کی سرزنش وسرکوبی کرنا ناجائز ہے؟ کیا امیر کے لئے اپنی حکومت کے دوام کا خواب دیکھنا ناجائز ہے؟ پھر بقول مورخ اللہ ان امور کے لئے امیر موصوف کو کیوں ہلاک کرتا؟

"مدینے کے حملہ ور ان کو اللہ ہلاک کرے گا "کا صحیح مفہوم

اس کے فوراً بعد عمر صدیق فرماتے ہیں "اور آپ یہ بات یاد رکھیں بخاری مسلم میں حدیث ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جو اہل مدینہ پر ظلم کرے گا اللہ اسے پگھلا دے گا جیسے پانی میں نمک اور بتاؤں اس حدیث کے بعد کیا لکھا ہے اسلاف نے کہ اس سے مراد یزید بن معاویہ ہے کہ جب اس نے اہل مدینہ پر ظلم کیا تو اللہ نے اس کو پکڑا کہ جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے اور راکھ کر دیا۔ اب نواصب کہتے ہیں کہ یہ صرف ایک افسانہ ہے۔ گپ ہے۔ اور ظالموں تمہاری بے دم و بے سند روایات حقائق ہیں اور وہ بات جو صحیح بخاری میں ہے یہ صحیح بخاری ہے میرے ہاتھ میں۔ سیدنا انسؓ کا قول ہے۔ جس کی تصحیح فتح الباری میں ہے۔ یہ واقعہ حرّہ کا ثبوت صحیح بخاری میں ہے۔ مسلم میں بھی ہے۔ یہ متواتر واقعہ ہے جس میں بے شمار صحابہ قتل ہوئے۔ یہ فتح الباری ہے یہ اہل مدینہ پر جو ظلم ہوا یہ یزید بن معاویہ کے ذریعہ ہوا ہے"

جواب۔ بخاری مسلم کی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد کہ جو اہل مدینہ پر ظلم کرے گا اللہ اسکو پانی میں نمک کی طرح پگھلا دے گا۔ پھر کہا کہ بتاؤں اس سلسلے میں اسلاف نے کیا کہا ہے۔ کاش نام بتلاتے تو ہم خبر لیتے۔ پھر ہم پر الزام لگایا کہ ہم ان خرافات کو گپ کہتے ہیں پھر ہماری گپ کے علی الرغم بخاری ومسلم کا نام لے کر عمر صدیق عوام الناس کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ کہہ کر کہ حرّہ کے واقعہ کا ثبوت بخاری ومسلم میں ہے جبکہ ہم اس کی کی حقیقت ابھی منکشف کئے دیتے ہیں۔

صحیح مسلم میں کتاب الحج باب نقض الکعبہ و بنا ئھا یعنی کعبہ کوتوڑ کر بنانے کا بیان میں ہے۔اس میں کہتے ہیں کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جس وقت کہ شام والوں نے مکہ والوں سے جنگ کی اور بیت اللہ (خانہ کعبہ) جل گیا۔اس حدیث مسلم میں اس تاریخی امر کی صراحت تو موجود ہے کہ بیت اللہ کسی وجہ سے جل گیا تھا لیکن اس کی صراحت نہیں ہے کہ آگ لگانے والا کون تھا لہٰذا بخاری مسلم کا نام لے کر حرّہ کے واقعہ کا ذکر کر کے عوام الناس کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش نہ فرمائیں۔موصوف عوام کو دھوکہ دے کر زمینی حقیقت کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں۔مقرر موصوف بخاری و مسلم کی حدیث کا حوالہ دے کر اس کے ضمن میں مکر وفریب سے کام لیتے ہوئے یہ ذکر کرتے ہیں کہ جس میں بے شمار صحابہ قتل ہوئے،اہل مدینہ پر ظلم ہوا نیز اس سے دو جملے قبل بھی بخاری و مسلم کے حوالے کے بعد اہل مدینہ پر ظلم کا ذکر کیا۔ظاہر سی بات ہے کہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ یزید کے کئے گئے مظالم اور قتلِ صحابہ کا ذکر بخاری و مسلم میں کیا گیا ہے جبکہ عمر صدیق ذکر واقعہ حرّہ کو مکہ کے ساتھ خلط ملط کر رہے ہیں وہ اس طرح کہ واقعہ حرہ کا ذکر کرتے کرتے وہ بخاری و مسلم کا حوالہ دے بیٹھے جبکہ بخاری میں کتاب الحج. باب فضل مکہ و بنا ئھا (حدیث ۱۵۸۶) میں نیز مسلم کتاب الحج۔باب نقض الکعبہ و بنائھا (حدیث ۲۔۴/۱۳۳۳) میں حرّہ کا ذکر نہیں بلکہ اہل شام اور مکہ پر حملے کا ذکر ہے اور آنجناب اس کو حرّہ سے مربوط فرما رہے ہیں۔خلط مبحث اسی کا نام ہے۔

یہی غلطی ایک پوسٹر رافضیت' ناصبیت اور یزیدیت ص۴ میں کی گئی ہے۔اس پوسٹر میں مولف نے عمر صدیق کی طرح یوں نقل کیا ''جلیل القدر صحابی سید نام عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے بیت اللہ کو آگ لگا کر شہید کر دیا (مسلم۔۳۲۴۵ ص۹۴ بعینہ عمر صدیق نے بھی حرّہ کے ضمن میں بخاری و مسلم کی ان احادیث کو نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گویا ان احادیث میں حرّہ اور حصار مکہ کی وہ تفصیلات درج ہیں جو الزامی طور پر لشکر حضرت یزیدؒ سے منسوب کی جاتی ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سطور آئندہ میں ہم دکھائیں گے کہ ان احادیث میں دور دور تک وہ دعاوی موجود نہیں جو یہ لوگ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ''یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ تو تمام اشراف کو قتل کیا اور نہ ہی مقتولین کی تعداد دس ہزار تک پہنچی اور نہ ہی قبر نبوی یا روضۂ اطہر کے پاس خونریزی ہوئی اور نہ ہی مسجد نبوی میں کسی کو

قتل کیا گیا۔ جہاں تک خانہ کعبہ کی بات ہے تو اللہ نے شروع ہی سے اسے عزت و شرف بخشا ہے اور حرمت کی جگہ قرار دیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کسی کو یہ قدرت نہیں دے سکتا کہ وہ اس کی اہانت کرے۔ نہ تو اسلام سے پہلے اور نہ ہی اسلام کے بعد بلکہ ہاتھی والوں نے اس کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عقاب نازل کیا جو ہر چہار جانب مشہور ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کے مکر کو بیکار نہ کر دیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ بھیج دئے جو ان کو مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے۔ پس انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا (سورہ فیل منھاج السنۃ النبویہ۔ ۵۷۶/۴) اس کے بعد شیخ مزید فرماتے ہیں ''جہاں تک مسلم بادشاہوں' بنوامیہ' بنوعباس اور ان کے نائبین کی بات ہے تو بلاشبہ ان میں سے کسی نے بھی خانہ کعبہ کی اہانت کبھی نہ کی۔ نہ تو یزید کے نائب نے اور نہ عبدالملک الحجاج بن یوسف کے نائب نے۔ اور نہ ہی ان کے علاوہ اور کسی نے۔ بلکہ مسلمان تو ہمیشہ سے کعبہ کی تعظیم ہی کرتے آئے ہیں۔ ان میں سے بعض کا مقصد صرف یہ تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کیا جائے اور منجنیق کا استعمال عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خاطر ہوا تھا نہ کہ خانہ کعبہ کی خاطر اور یزیدؒ نے ہرگز بیت اللہ کو منہدم (شہید) نہیں کیا اور نہ ہی اسے جلانے کا ارادہ کیا۔ یقیناً نہ تو ایسا اقدام یزید نے کیا اور نہ ہی اس کے نائبین نے کیا۔ اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہے (منھاج السنہ)

صحیح مسلم سے مظالم حصار مکہ کے دعاویٰ کھوکھلے نکلے

عمر صدیق نے ''صحیح مسلم کے حوالے سے کہا'' لما احترق البیت زمن یزید بن معاویہ حین غزاھا الشام ابن نمیر پلید نے عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف چڑھائی کی وہ خانہ کعبہ کے اندر چھپ گئے۔ خانہ کعبہ کا دروازہ کھول کر اندر چلے گئے۔ منجنیق لگوا کر اس (یزید) نے خانہ کعبہ پر سنگ باری بھی کروائی اور آگ بھی لگوائی یہ تین ظلم کئے نبی کے بیٹے کو شہید کروایا' بے شمار صحابہ کا قاتل اور بیت اللہ پر سنگ باری کر کے اسے آگ لگوانے والا ہے اور یہ باتیں صحیح مسلم اور کتب احادیث سے ثابت ہیں۔ کسی تاریخی کتاب کا نام نہیں لے رہا حضرت انسؓ کی روایت بخاری میں ہے اور بیت اللہ کا جلایا جانا مسلم میں ہے کتاب الحج میں ہے''۔

عمر صدیق کا مکر و فریب حدیث مسلم کے نام پر

مندرجہ بالا حصہ تقریر میں عمر صدیق نے درج ذیل دعاویٰ کئے کہ یزید نے منجنیق لگوا کر کعبہ پر پتھر برسائے اور آگ بھی لگوائی۔حدیث کے باب میں ہے کہ حضرت عطاء سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جس وقت کہ شام والوں نے مکہ والوں سے جنگ کی اور بیت اللہ جل گیا۔اب قارئین یہ حدیث مسلم پڑھیں اور غور فرمائیں کہ کیا اس حدیث میں عمر صدیق کے وہ دعاویٰ موجود ہیں جو انہوں نے مکر وفریب کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔

''عطا کہتے ہیں کہ جب یزید بن معاویہ کے دور میں اہل شام کی لڑائی میں جب کعبہ جل گیا اور اسکا جو حال ہوا سو ہوا۔تو ابن زبیرؓ نے کعبہ شریف کو ویسا ہی رہنے دیا یہاں تک کہ لوگ موسم حج میں جمع ہوئے اور عبداللہ بن زبیرؓ کا ارادہ تھا کہ لوگوں کو خانہ کعبہ دکھا کر انہیں اہل شام کی لڑائی پر جرأت دلائیں یا انہیں اہل شام کے خلاف لڑائی کے لئے تیار کریں پھر جب لوگ جانے لگے تو انہوں نے کہا کہ اے لوگو! مجھے خانہ کعبہ کے بارے میں مشورہ دو کہ میں اسے توڑ کر نئے سرے سے بناؤں یا اس میں سے جو حصہ خراب ہو گیا ہے درست کروں؟ سیدنا ابن عباسؓ نے کہا کہ مجھے ایک رائے سوجھی اور وہ یہ ہے کہ تم اس میں سے جو خراب ہو گیا صرف اس کی مرمّت کرو اور خانہ کعبہ کو ویسا ہی رہنے دو جیسا کہ ابتداء اسلام میں تھا اور انہیں پتھروں کو رہنے دو جن پر لوگ مسلمان ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔سیدنا ابن زبیرؓ نے کہا کہ اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جائے تو اس کا دل کبھی راضی نہ ہوگا کہ جب تک نیا نہ بنائے۔پھر تمہارے رب کا گھر تو اس سے کہیں افضل ہے‘اس کا کیا حال ہے؟ اور میں اپنے رب سے تین بار استخارہ کرتا ہوں پھر اپنے کام کا مصمم ارادہ کرتا ہوں۔پھر جب تین بار استخارہ کر چکے تو ان کی رائے میں آیا کہ خانہ کعبہ کو توڑ کر بنائیں اور لوگ خوف کرنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ جو شخص پہلے خانہ کعبہ کے توڑنے کو چڑھے اس پر بلا آسمانی نازل ہو جائے یہاں تک کہ ایک شخص چڑھا اور اس میں ایک پتھر گرا دیا۔پھر جب لوگوں نے دیکھا کہ اس پر کوئی بلا نہیں اتری تو ایک دوسرے پر گرنے لگے اور خانہ کعبہ کو ڈھا کر زمین تک پہنچا دیا اور عبداللہ بن زبیرؓ نے چند ستون کھڑے کر کے ان پر پردا ڈال دیا (تا کہ لوگ اسی پردہ کی طرف نماز ادا کرتے رہیں اور مقام کعبہ کو جانتے رہیں اور وہ پردے پڑے رہے)

یہاں تک کہ اس کی دیواریں اونچی ہوگئیں اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ام المومنین عائشہؓ سے سنا ہے کہ وہ کہتی تھیں کہ نبیؐ نے فرمایا کہ اگر لوگ نئے نئے کفر نہ چھوڑے ہوئے ہوتے اور میرے پاس بھی اتنا خرچ نہیں ہے کہ اس کو بنا سکوں ورنہ میں حطیم سے پانچ ہاتھ کعبہ میں داخل کردیتا اور ایک دروازہ اس میں ایسا بنا دیتا کہ لوگ اس میں داخل ہوتے اور دوسرا ایسا بناتا کہ لوگ اس سے باہر جاتے۔ پھر ابن زبیرؓ نے کہا کہ ہم آج کے دن اتنا خرچ بھی رکھتے ہیں کہ اسے صرف کریں اور لوگوں کا خوف بھی نہیں۔ راوی نے کہا کہ پھر ابن زبیرؓ نے اس کی دیواریں حطیم کی جانب سے پانچ ہاتھ زیادہ کردیں یہاں تک کہ وہاں پر ایک نیو (بنیاد) نکلی کہ لوگوں نے اسے اچھی طرح دیکھا (اور وہ بنیاد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تھی) پھر اسی بنیاد پر سے دیوار اٹھانا شروع کی اور کعبہ کی لمبائی اٹھارہ ذراع تھی۔ پھر جب اس میں زیادہ کیا تو چھوٹا نظر آنے لگا (یعنی چوڑان زیادہ ہوگئی اور لمبائی کم نظر آنے لگی) پس اس کی لمبائی میں بھی ۱۰ ذراع زیادہ کردیئے اور اس کے دو دو دروازہ رکھے۔ ایک میں سے اندر جائیں اور دوسرے سے باہر آئیں۔ پھر جب عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوگئے تو حجاج نے عبدالملک بن مروان کو یہ خبر لکھ بھیجی کہ ابن زبیرؓ نے جو بنیاد رکھی ہے وہ انہیں بنیادوں پر رکھی ہے جس کو مکہ کے معتبر لوگ دیکھ چکے ہیں (یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر رکھی تھی) عبدالملک نے اس کو جواب لکھا کہ ہمیں ابن زبیرؓ کے تغیر و تبدل سے کچھ کام نہیں (تم ایسا کرو کہ) جو انہوں نے طول میں زیادہ کردیا ہے وہ رہنے دو اور جو حطیم کی طرف سے زیادہ کیا ہے اس کو نکال ڈالو اور پھر حالت اولیٰ (پہلے والی حالت) پر بنا دو اور وہ دروازہ بند کردو جو کہ انہوں نے زیادہ کھولا ہے۔ غرض حجاج نے اسے توڑ کر بنائے اول (پہلی بنیاد) پر بنا دیا
(صحیح مسلم ۱/۲۷۰ ترقیم فواد عبدالباقی ۱۳۳۳ و ترقیم آخر ۳۲۴۰)

جواب۔ قارئین سے گذارش ہے کہ وہ غور فرمائیں کہ کیا مسلم کی اس حدیث میں وہ باتیں پائی جارہی ہیں جو عمر صدیق مسلم شریف کا نام لے کر بیان کررہے ہیں؟ کہ منجنیق سے کعبہ پر سنگ باری کی۔ کعبہ میں آگ لگوائی وغیرہ۔ اتنا ضرور ہے کہ اس حدیث میں خانہ کعبہ میں آگ لگنے کا ذکر ہے لیکن کیا اس میں آگ کو جان بوجھ کر لگانے کا کہیں ذکر ہے؟ یا یہ آگ حضرت یزید نے لگوائی تھی یا پھر یہ کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یہ آگ لگوائی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان دعاویٰ میں سے ایک بھی اس حدیث میں موجود نہیں ہے۔

حضرت عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ نے اس روایت میں آگ لگانے کا انتساب کسی سے نہ کیا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تیز ہوا کی وجہ سے دوسری جگہ کی آگ یہاں تک پہنچی اور نتیجتاً خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی۔ دکتور محمد بن ہادی الشیبانی ناقل ہیں ''حتی کہ مسلم کے رواۃ (راویوں) میں سے ایک بہت بڑے تابعی (امام عطا بن ابی رباح) رحمہ اللہ نے کعبہ کو جلانے کا الزام کسی بھی فریق پر نہیں لگایا ہے (مواقف المعارضہ فی عہدِ یزید بن معاویہ ص ۶۷۹)

اہل شام کا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں کا محاصرہ کرنا مسلمات میں سے ہے لیکن یہ باتیں دوسرے مقامات پر مذکور ہیں محولہ بالہ روایت میں ایسی کوئی بات مذکور نہیں ہے۔

آگ لگنے کے ذمہ دار اہل شام، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یا اصحاب عبداللہ بن زبیر

دشمنان یزید و بنی امیہ مختلف مردود وضعیف رویات کی کمزور بنیادوں پر اہل شام اور حضرت یزید کو خانہ کعبہ میں آگ لگنے کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں جبکہ اس کے برعکس متعدد روایات ملتی ہین جن میں آگ لگنے کی ذمہ داری یا تو اصحاب عبداللہ بن زبیرؓ یا خود حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر ڈالی گئی ہے۔ لیکن ایک اہم حقیقت یہ ہے کہ چاہے اصحاب عبداللہ بن زبیر ہوں یا خود حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کسی نے بھی یہ آگ دانستہ (جان بوجھ کر) نہیں لگائی۔

حقیقت واقعہ

فی الواقع انصاف کی بات یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی بے حرمتی کی اصل ذمہ داری حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھیوں پر عائد ہوتی ہے اس لئے کہ اگر یہ لوگ یزیدؒ کے خلاف خروج نہ کرتے اور خانہ کعبہ میں پناہ نہ لیتے تو خانہ کعبہ کی بے حرمتی کا یہ بدترین حادثہ معرض ظہور میں نہ آتا اور نہ اہل شام (لشکر حضرت یزیدؒ) کو مکہ پر حملہ کرنے کیلئے مجبور ہونا پڑتا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ پوری ملّت اسلامیہ حضرت یزید کی خلافت پر متفق ہو چکی تھی اور تمام صحابہ بیعت بھی کر چکے تھے ایسی صورت حال میں حکومت اسلامیہ کے خلاف خروج کرنے کی کوئی وجہ جواز نہ تھی بلکہ متعدد احادیث میں ایسے حالات میں اس طرح کے باغیانہ خروج کی مذمت کی گئی ہے۔ اسی لئے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کی سخت مخالفت اور بھرپور مذمت کی جس کے حوالے عنقریب آپ ملاحظہ کریں گے۔

اہل شام پر لگائے گئے الزام کا جائزہ

کتب اہل السنہ میں اہل شام پر خانہ کعبہ میں آگ لگنے کی ذمہ داری ڈالنے والی روایات صرف چھ ہیں ۱) پہلی روایت طبری کی ۳۶۱/۳ کی ہے لیکن اس کی سند میں تین علتیں ہیں ۱) ایک کذاب اور رافضی راوی ۲) سند کے ابتدائی حصہ میں انقطاع ۳) سند کے آخری حصہ میں انقطاع ۲) دوسری روایت امام خلیفہ بن خیاط الشیبانی العصفری المتوفی ۲۴۰ھ کی تاریخ ۔تاریخ خلیفہ خیاط ص ۶۴ لیکن اس کی سند میں دو علتیں ہیں ۱) کذاب راویوں سے تدلیس کرنے والا راوی ۲) سند میں انقطاع ۳) امام ابو العرب محمد بن احمد تمیم المتوفی ۳۳۳ھ کی تاریخ المحسن لابی العرب ص ۲۰۳ لیکن اس کی سند میں تین علتیں ہیں ۱) مصنف کے شیوخ نامعلوم ۲) ایک سخت ضعیف راوی ۳) سند میں انقطاع۔

۴) امام حاکمؒ المتوفی ۴۰۵ ح کی المستدرک علی الصحیحین للحاکم ۶۳۴/۳ : رقم ۶۳۳۹) ہیں لیکن سند میں تین علتیں ہیں ۱) ایک کذاب راوی ۲) ایک وضاع راوی ۳) ایک مجہول راوی ۵) امام محمد بن اسحاق المکی الفاکہی المتوفی ۲۷۲ھ کی اخبار مکۃ للفاکہی ۲ /۳۳۷۔ یہ طبرانی، ابن عساکر، ابو نعیم فی حلیۃ الاولیاء۔الحاکم) سند میں تین علتیں ہیں ۱) ایک سخت ضعیف متروک راوی ۲) ایک مجہول راوی ۳) سند میں اضطراب ۶) امام ازرقیؒ المتوفی ۲۵۰ھ کی اخبار مکۃ لازرقی ۱۹۹/۱) اس کی سند میں دو علتیں ہیں ۱) ایک ضعیف راوی ۲) سند میں انقطاع ان تمام تفصیلات کا لب لباب یہ ہے کہ یہ سندیں سخت ضعیف ہیں لہٰذا یہ سب مل کر حسن لغیرہ بننے کے لائق بھی نہیں نوٹ۔ محققین نے ان روایات کو پیش نہ کر کے صرف راویوں کی تحقیق کو پیش کیا ہے تاکہ قارئین ان مباحث میں بے کیفی کا شکار نہ ہوں۔

اصحاب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر الزام سے متعلق روایات

اہل شام پر کعبہ میں آگ لگنے کی ذمہ داری ڈالنے والی روایات غیر مستند ہونے کے ساتھ مقطوع بھی ہیں۔ لیکن جن روایات میں آگ لگنے کی ذمہ داری حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اصحاب پر ڈالی گئی ہے ان میں سے ایک روایت حکماً مرفوع بھی ہے اور وہ روایت یہ ہے ۱) پہلی روایت امام ازرقی نے اپنی اخبار مکۃ لازرقی ۱۹۸/۱) میں فرمایا کہ سلمان فارسیؓ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یقیناً یہ کعبہ

عبداللہ بن زبیرؓ کے اصحاب میں سے کسی کے ہاتھوں جلے گا (الازرقی المتوفی ۲۵۰ھ) حضرت سلمان فارسیؓ کی اس بات میں رائے وقیاس کا دخل نہیں لہٰذا یہ حکماً مرفوع ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں ازرقی کی اسناد میں تین علتیں ہیں ۱) ایک نامعلوم راوی ۲) ضعیف راوی ۳) صرف ابن حبان کی توثیق والا راوی ۲) ابوالفرج الاصفہانی المتوفی ۳۵۶ھ اپنی الاغانی ابی الفرج الاصفہانی ۳/۲۷۴) لیکن اس کی سند میں دو علتیں ہیں ۱) ایک سخت ضعیف راوی ۲) سند میں انقطاع ۳) امام ازرقیؒ المتوفی ۳۵۰ھ اپنی اخبار مکہ للازرقی ۱/۹۹ میں۔ سند میں دو علتیں ہیں ۱) مجہول راوی ۲) ایک ضعیف راوی ۴) امام احمد بن یحیٰی، البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ اپنی فتوح البلدان میں روایت پیش کرتے ہیں ص ۵۵۔ اس روایت کے سارے رجال ثقہ ہیں سوائے لیث بن ابی سلیم کے، موصوف سے امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح میں استشہاداً روایت کیا ہے اور امام عجلیؒ نے انہین ثقہ کہا ہے اس کی سند دو علتیں ہیں ۱) ایک ضعیف راوی ۲) سند میں نقطاع ۵) امام ازرقی المتوفی ۲۵۰ھ اپنی اخبار مکہ ص ۹۸ و اخرجہ ایضاً ابوالفرج الاصفہانی فی الاغانی ۱۸۱/ ۳۳۲ من طریق الواقدی بہ وذکرہ الطبری فی تاریخہ ۵/۴۹۹) لیکن سند میں دو علتیں ہیں ۱) صرف ابن حبان کی توثیق والا راوی ۲) واقدی کذاب راوی

۶) امام ازرقیؒ اپنی اخبار مکہ ۱/۱۹۸ میں نیز وذکرہ الطبری فی تاریخہ ۴۹۸۱۵) لیکن اس سند میں ایک علت یعنی واقدی کذاب راوی ہے۔

۷) امام ابن سعدؒ المتوفیٰ ۲۳۰ھ اپنی الطبقات الکبریٰ ۲/۲۷ میں لیکن ساری سندوں میں واقدی کذاب راوی نیز بعض میں مزید علتیں ہیں۔ اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ یہ ساری سندیں ضعیف ہیں لیکن یہ روایات حسن لغیرہ بن سکتی ہیں کیونکہ پہلی تیسری اور چوتھی روایات کی سندوں میں سخت ضعف نہین ہے اور اہل علم ایسی سندوں کو حسن لغیرہ کے باب میں ایسی روایات کو قبول کر لیتے ہیں جن میں اس طرح کا (ہلکا) ضعت ہو۔

امام طبری کا موقف

امام طبریؒ نے مذکورہ روایت پیش کرنے کے بعد یہ عنوان قائم کیا ہے کہ خانہ کعبہ کیسے جلا اس کے سبب کا بیان (تاریخ طبری ۵/۱۹۸) اس عنوان کے تحت امام طبریؒ نے صرف انہیں روایات کو پیش کیا ہے جن میں کعبہ میں آگ لگنے کی ذمہ داری حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اصحاب (ساتھیوں) پر ڈالی گئی ہے۔

اوراس مذکورہ جھوٹی روایت کواس عنوان کے تحت قطعاً ذکرنہین کیا ہے حالانکہ اس سے قبل وہ اس روایت کو پیش کرچکے ہیں۔اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام طبریؒ کا رجحان اسی طرف ہے کہ یہ آگ عبداللہ بن زبیرؓ کے اصحاب کی طرف سے ہی لگی ہے۔

امام ابن الاثیر رحمہ اللہ کا مخدوش و کمزور موقف

امام ابن الاثیر رحمہ اللہ نے آگ لگنے کے اسباب سے متعلق بغیر سند کے دونوں طرح کی روایات نقل کی ہیں یعنی وہ روایات بھی جن میں آگ لگنے کا ذمہ دار اہل شام کو بیان کیا ہے اور وہ روایات بھی جن میں آگ کی ذمہ داری عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر ڈالی گئی ہے۔لیکن دونوں قسم کی روایات کونقل کرنے کے بعد امام ابن الاثیرؒ نے اس روایت کوراجح قرار دیا ہے جس میں آگ لگنے کی ذمہ داری اہل شام پر ڈالی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خانہ کعبہ اس آگ سے جلا جسے عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھی خانہ کعبہ کے پاس جلا رہے تھے چنانچہ اس میں سے ایک چنگاری اٹھی جسے ہوا اڑا لے گئی اور اس سے خانہ کعبہ کا پردہ اور اس کی لکڑیاں جل گئیں۔اور پہلی بات (یعنی اہل شام کی وجہ سے کعبہ جلا) زیادہ صحیح ہے کیونکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے کعبہ کواسی حالت میں چھوڑے رکھا تا کہ لوگ اسے دیکھیں۔مقصد اہل شام کے خلاف لوگوں کوابھارنا (الکامل فی التاریخ ۲/۱۹۳)

جواب۔لیکن اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ اول تو جس روایت کوامام ابن الاثیر رحمہ اللہ نے بخاری کی روایت بتلایا ہے وہ بخاری میں سرے سے موجود ہی نہین ہے۔ہاں یہ روایت صحیح مسلم میں ہے جس کو ہم نے پورا پورا سطور گذشتہ میں پیش کیا جس میں وہ دعاوی سرے سے موجود ہی نہیں جنکو عمر صدیق اور شیعہ پیش کرتے ہیں۔لیکن عرض ہے کہ اس حدیث مسلم سے بھی یہ قطعی ثابت نہیں ہوتا کہ اہل شام (لشکر حضرت یزید رحمہ اللہ) کی وجہ سے خانہ کعبہ میں آگ لگی۔اولا۔مستدل ٹکرا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول نہیں بلکہ یہ ان کے طرز عمل (خانہ کعبہ کی اصلاح میں تاخیر) کی توجیہ ہے جسے امام عطا یا اس کے بعد کے راوی نے پیش کیا ہے لیکن افسوس کہ ان الفاظ کے ساتھ کسی دوسرے طریق سے یہ روایت نہیں ملتی جس سے یہ اندازہ ہو کہ یہ توجیہ کس کی پیش کردہ ہے؟ آیا امام عطا کی یا کسی راوی کی؟ لیکن بہر حال یہ توجیہ عبداللہ بن زبیرؓ سے براہِ راست ثابت نہیں ہے اور عبداللہ بن زبیرؓ سے اس کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی

کیونکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے فضائل ومناقب ہیں اوران سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے محض لوگوں کو اہل شام کے خلاف بھڑکانے کے پیش نظر خانہ کعبہ کی اصلاح میں تاخیر کی۔اس توجیہ سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شخصیت پر بھی حرف آتا ہے۔

دوسرے اس روایت میں آگے عبداللہ بن زبیرؓ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ جو بات تم اپنے گھروں سے متعلق پسند نہیں کرتے اسے خانہ کعبہ سے متعلق کس طرح برداشت کرسکتے ہو؟ یعنی جلنے کے بعد مکان کی تجدید نہ کرنا اور اسکو اسی طرح ٹھیک ٹھاک کردینا۔تو جو صحابی کعبہ کا اس حد تک احترام کریں،ان کے بارے میں یہ توقع ہم کیسے کرسکتے ہیں کہ انہوں نے محض لوگوں کو مشتعل کرنے کیلئے طویل مدت تک خانہ کعبہ کی اصلاح کو ملتوی کردیا۔

تیسرے جب عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے کعبہ کی تعمیر نو کا شروع ہوا تو کسی کی ہمت نہ ہو رہی تھی کہ خانہ کعبہ کی ایک اینٹ بھی ہلائے۔مسلم کی اسی روایت میں ہے''جب انہوں نے تین مرتبہ استخارہ کرلیا تو انہوں نے اسے توڑنے کا ارادہ کیا تو لوگوں کو خطرہ پیدا ہوا کہ جو آدمی سب سے پہلے بیت اللہ (خانہ کعبہ) کو توڑنے کیلئے اس پر چڑھے گا تو اس پر آسمان سے کوئی بلائے ناگہانی نازل ہوجائے۔تو ایک آدمی اس پر چڑھا اور اس نے اس میں سے ایک پتھر گرایا تو جب لوگوں نے اس کو دیکھا کہ اس کو کوئی تکلیف یا ضرر نہ پہنچا تو سب لوگوں نے مل کر اس کو توڑ ڈالا حتی کہ اس کو زمین کے برابر کردیا(صحیح مسلم ۹۷۰/۲)

غور کریں کہ اگر اہل شام نے خانہ کعبہ پر آتش بازی کی تو ان لوگوں پر کوئی آفت ناگہانی یعنی آسمانی آفت نازل نہ ہوئی۔ایسی صورت حال میں کعبہ کو تعمیر نو کی غرض سے نیک نیتی کے ساتھ توڑنے کے وقت وہ اس حد تک خوف ودھشت کا شکار نہ ہوتے۔کیونکہ جب ان کے مشاہدے میں ہے کہ اہل شام نے کعبہ کو بدنیتی سے گرایا اور ان کا کچھ نہ بگڑا تو ہم تو نیک جذبے کے ساتھ اسے گرارہے ہیں۔اس سے ہم پر بدرجہ اولیٰ کوئی آفت نازل نہیں ہوسکتی۔لیکن اس صورت میں بھی ان کا ڈرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ماضی میں ان کے سامنے ایسا کوئی مشاہدہ نہیں ہے کہ کسی نے کعبہ کو شھید بھی کیا ہو اور وہ مصیبت کا شکار ہوئے بغیر صحیح سلامت بھی رہا ہو۔

اگر خانہ کعبہ کی تعمیر نو میں تاخیر کا مقصد حجاج کرام (حاجی حضرات) کو اہل شام کے خلاف بھڑ کانا ہوتا تو حج کے موقع پر عبداللہ بن زبیرؓ یہ کام ضرور کرتے لیکن کسی بھی روایت سے یہ ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے حج کے موقع پر خانہ کعبہ کی نا گفتہ بہ (شکستہ حالت) کا حوالہ دے کر اہل شام کے خلاف کوئی بھڑ کاؤ تقریر کی ھو یا پھر انفرادی طور پر کسی کو بھڑ کایا ہو۔

حج کے بعد حجاج کرام اور دوسرے افراد امت کی طرف سے بھی اہل شام کے خلاف کسی طرح کی نفرت انگیزی کا ماحول نہیں دیکھا گیا جس طرح کربلا میں قتل حسینؓ کے بعد اہل بیت میں کسی قسم کی باغیانہ روش کا مشاہدہ ثابت نہیں۔ حج کے موقع پر جب حاجی حضرات تشریف لائے تو عبداللہ بن زبیرؓ نے اہل شام کے خلاف ان کے سامنے کوئی تقریر نہ کی بلکہ ان سے کعبہ کی تعمیر نو کے بارے میں مشورہ طلب کیا جبکہ تقاضائے عقل وخرد ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ کو اہل شام کے اس بدترین حملے کا حوالہ دے کر گفتگو کرنا چاہیئے تھی۔
اس سے یہ معلوم ہوا کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے اصلاح کعبہ میں تاخیر اس لئے کی تھی تا کہ اکابرین ملّت سے اس کی اصلاح کے بارے میں مشورہ لیا جائے۔ دراصل عبداللہ بن زبیرؓ کعبہ کی از سرنو تعمیر کرنا چاہتے تھے اور یہ اقدام غیر معمولی تھا۔ اس لئے انہوں نے اس میں جلد بازی نہ کی بلکہ تھوڑا انتظار کیا تا کہ امت کے اکابرین کی رائے منظرِ عام پر آجائے۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ایک جلیل القدر صحابیؓ نے محض لوگوں کو مشتعل کرنے کے لئے خانہ کعبہ کی اصلاح میں تاخیر کی تو اس سے بھی اس بات کا ثبوت قطعی نہیں ملتا کہ اہل شام ہی نے خانہ کعبہ کو جلا دیا۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ خانہ کعبہ اصحاب عبداللہ بن زبیرؓ کی کارروائی سے غیر ارادی طور پر جلا ہو (جیسا کہ بعض روایات سے ثابت ہے) لیکن چونکہ یہ نوبت اہل شام کے حملہ کی بنا پر آئی تھی اس لئے اس کی اصل ذمہ داری بھی اہل شام پر ہی ڈالی گئی اور لوگوں کو یہی یقین دلایا گیا کہ اہل شام کے حملے کی وجہ سے کعبہ بھی آگ کا شکار ہو گیا۔ اس پہلو سے بھی اہل شام کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنے کی راہ موجود ہے۔ لہٰذا محض اشتعال دلانے والی بات اس چیز کی دلیل نہیں بن سکتی کہ اہل شام ہی کی کارروائی سے خانہ کعبہ جلا۔ اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ خانہ کعبہ اہل شام ہی کی کارروائی سے نذرِ آتش ہوا، تو بھی اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اہل شام نے جان بوجھ کر خانہ کعبہ میں آتش بازی کی اور اسے شھید کر دیا جیسا کہ مذکورہ بالا جھوٹی روایت میں ہے۔

یہ بھی تو ممکن ہے اور بعض ضعیف روایات میں مذکور بھی ہے (جو گذرا) کہ اہل شام کے کسی فرد نے کہیں اور آگ لگائی لیکن تیز ہوا کے سبب آگ خانہ کعبہ تک پہنچ گئی اور وہ جل گیا۔ اور اسی بات کو لیکر اہل شام کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنے کا منصوبہ بنالیا۔

دکتور احمد بن محمد العریانان امام ابن الاثیر رحمہ اللہ کے مذکورہ استدلال پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یہ دلیل جیسا کہ واضح ہے اس بات پر قطعی دلالت نہیں کرتی کہ اہل شام کی منجنیقین ہی خانہ کعبہ کے جلنے کا سبب بنیں اور عبداللہ بن زبیرؓ نے جو کعبہ کو جلتا ہوا چھوڑ دیا تو اس میں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ بنوامیہ ہی نے اسے جلایا تھا۔ بلکہ یہ دلیل تو عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف بھی استعمال کی جاسکتی ہے کہ موصوف نے کیسے محض لشکر کو جنگ پر ابھارنے کی خاطر خانہ کعبہ کو آگ کی لپٹوں میں چھوڑ دیا'' (اباحۃ المدینۃ وحریق الکعبۃ فی عہد یزید بن معاویہ بین مصادر القدیمہ والحدیثہ ص ۱۵)

دکتور موصوف نے محولہ بالا کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ خانہ کعبہ میں آگ لگنے کے معاملے میں اہل شام بالکل بری ہیں۔ موصوف نے اس سلسلے کی تمام روایات کو نقل کر کے محاکمہ کیا ہے لیکن چند روایات ان سے بھی چھوٹ گئی ہیں اور ان کی حقیقت ہم نے اس مضمون میں بیان کردی ہے۔

آگ دانستہ نہیں لگائی گئی بلکہ غیر ارادی طور پر لگ گئی

گزشتہ سطور میں دونوں طرف کی تمام روایات پیش کی جاچکی ہیں اور ان روایات میں قدر مشترک یہ ہے کہ کسی بھی فریق نے جان بوجھ کر آگ نہیں لگائی بلکہ آگ کہیں اور تھی اور ہوا کے جھونکے سے خانہ کعبہ تک پہنچ گئی اس لئے اہل شام پر یہ الزام لگانا کہ انہوں نے جان بوجھ کر خانہ کعبہ میں آگ لگائی قطعا درست نہیں جیسا کہ شیخ ابن تیمیہؒ نے بھی اس کی وضاحت کی ہے جیسا کہ پیچھے گذرا۔ اگر تھوڑی دیر کیلئے یہ مان لیں کہ خانہ کعبہ میں آگ کسی شامی فوجی نے لگائی تو بھی یہ محض اس کا ہی جرم ہوگا جس نے ایسا کیا ہے لیکن حضرت یزیدؒ پر یہ الزام تو قطعی طور پر نہیں عائد کیا جاسکتا کیونکہ خلیفہ موصوف نے آگ لگانے کا حکم قطعاً نہ دیا تھا اس لئے کہ ضعیف و موضوع روایات میں بھی ایسا نہیں ملتا کہ امیر موصوف نے خانہ کعبہ پر آگ لگانے کا حکم دیا ہو۔ لہٰذا اس ضمن میں حضرت یزیدؒ کا نام لینا قطعاً مبنی بر حقیقت نہیں۔

عبداللہ بن زبیرؓ کے طرز عمل پر اجلہ صحابہ کی سخت گرفت

اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو خانہ کعبہ میں آگ لگنے کی ذمہ داری بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر ہی عائد ہوتی ہے اس لئے کہ اگر یہ لوگ حضرت یزید بن معاویہؓ کے خلاف خروج و بغاوت نہ کرتے اور خانہ کعبہ میں پناہ نہ لیتے تو خانہ کعبہ میں آگ لگنے کا یہ حادثہ فاجعہ بھی وجود میں نہ آتا اور نہ ہی لشکر شام کی طرف سے کوئی یلغار ہوتی۔ساتھ ہی حضرت یزید پر پوری ملۃ اسلامیہ ان کے خلیفہ ہونے پر متفق ہو چکی تھی اور تمام صحابہ ان کی بیعت خلافت کر چکے تھے۔ایسی صورت میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے ساتھیوں کے لئے حضرت یزید کی بغاوت کا کوئی جواز تھا ہی نہیں بلکہ متعدد احادیث میں ایسی صورت حال میں اس قسم کے اقدام کی سخت مذمت کی گئی ہے۔اسی لئے اجلہ صحابہ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے طرز عمل کی سخت مخالفت کی۔مثالیں درج ذیل ہیں۔

موقف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ وہ صحابی ہیں کہ جنکے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی وہ خود حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بنی امیہ کے خلاف سرگرمیوں کے مخالف تھے بلکہ انہوں نے خانہ کعبہ کی بے حرمتی کی ذمہ داری حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر ڈالی ہے۔ہم اختصار کے پیش نظر اپنے الفاظ میں اس تاریخی اثر کو پیش کرتے ہیں واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ راوی ابن ابی ملیکہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے درمیان بیعت کیلئے ہوئے جھگڑے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ کہا کہ اس معاملے کو لے کر آپ عبداللہ بن زبیرؓ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں جبکہ اس سے تو خانہ کعبہ کی بے حرمتی ہوگی تو اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ بے حرمتی تو اللہ نے عبداللہ زبیرؓ اور بنو امیہ کے نصیب میں لکھ دی ہے میں تو بقسم ایسی غلطی نہیں کرسکتا پھر ابن عباسؓ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلیفہ بننے کے بارے میں کہا کہ لوگوں نے مجھسے کہا تھا کہ میں ان کی بیعت کرلوں مجھے اس میں کیا تامل ہوسکتا ہے پھر اس کے بعد ابن عباس نے حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے خاندان کے لوگوں کی رسول اللہ ﷺ سے قربت کی کئی مثالیں دے کر آخر میں ان کے کردار کی شفافیت کا ذکر فرمایا اور کہا کہ اگر وہ چاہیں تو ہمارے حاکم بن جائیں لیکن انہوں نے ہمارے

مدمقابل دوسرے خاندانوں کوہم پر ترجیح دی اور یہ روایت آگے جاتی ہے۔ہم یہیں تک نقل کرتے ہیں۔
(صحیح بخاری ۶/ ۴۴ کتاب تفسیر القران باب قولہ ثانی اثنین اذ ھما فی الغار۔رقم ۴۶۶۵)اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بزرگی تسلیم کرنے کے باوجود حضرت ابن عباسؓ ابن زبیرؓ کو مکہ کی بے حرمتی کا ذمہ دار ٹھراتے تھے اور بنوامیہ کو بھی لیکن بنوامیہ سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مراد وفات یزید کے بعد کے بنوامیہ کے لوگ ہیں جیسا کہ ان کی روایت کا پورا حصہ اس پر دلالت کرتا ہے۔
اور آگ لشکر عبداللہ بن زبیرؓ کے لوگوں کے ہاتھوں لگی۔ یہ اور بات ہے کہ انکا ارادہ آگ لگانے کا نہ تھا لیکن بنوامیہ پر تو یہ ذمہ داری عائد ہی نہیں ہوتی۔ نیز حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ان ہی غیر دانشمندانہ سیاسی اقدامات کی بنا پر اکثر صحابہ کرام نے عبداللہ بن زبیرؓ سے اختلاف کیا۔ چنانچہ بخاری کی حدیث کے مطابق عبداللہ بن عباسؓ حسب ونسب کے تناظر میں عبداللہ بن زبیرؓ کی فضلیت تسلیم کرنے کے باوجود بھی ان کی حکومت پر بنوامیہ کی حکومت کو ترجیح دیتے تھے۔اس روایت میں بھی گذشتہ حدیث کی طرح حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی فضلیت تسلیم کرنے کے باوصف ابن عباس فرماتے ہیں کہ ”جو ہونا تھا وہ ہوا۔اب بنی امیہ جو میرے چچازاد بھائی ہیں اگر مجھ پر حکومت کریں تو یہ مجھکو اوروں کے حکومت کرنے سے زیادہ پسند ہے(صحیح بخاری ۴/۴۴۔کتاب تفسیر القران)ایسے ہی امام عبدالرزاقؒ المتوفی ۲۱۱ھ) نے کہا کہ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے حکومت کے لئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہتر شخص نہیں دیکھا۔آپکو تمام لوگوں نے حد درجہ سخی،کشادہ دل پایا آپ عبداللہ بن زبیر کی طرح تنگ نظر،تنگ دل اور متعصب نہ تھے(الامالی فی آثار الصحابۃ لعبدالرزاق ص ۴۷ واسنادہ صحیح ،المصنف لعبدالرزاق ۱۱/ ۴۵۳ الطبقات الکبری بن سعد ۴۸/ ۱۰ واسنادہ صحیح)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بنوامیہ سے متعلق موقف

عبداللہ بن عمرؓ کا مقام ومرتبہ محتاج تعارف نہیں خود اللہ کے رسول نے ان سے متعلق فرمایا ہے کہ عبداللہ نیک آدمی ہیں (صحیح بخاری، صحیح مسلم) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مخالفین حضرت یزید کی مذمت کی بلکہ ان سے اظہار براءت بھی کیا۔آپ نے اہل خانہ اور ساتھیوں کو جمع فرما کر اللہ کے رسول کی ایک حدیث

سے استدلال کرتے ہوئے بیعت خلافت حضرت یزید کی تصدیق وتوثیق فرمائی اور برعکس صورت حال مین ان لوگوں سے اظہار برأت فرمایا(صحیح بخاری ۹/۵۷۔رقم ۷۱۱۱)

بخاری کی ایک روایت کے مطابق حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید مخالف سرگرمیوں کو فتنہ قرار دیا ہے۔نافع بیان کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ کے پاس ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فتنہ کے زمانے میں (جب ان پر حجاج ظالم نے حملہ کیا اور مکہ کا محاصرہ کیا) دو آدمی (علاء بن عرار اور حبان سلمی) آئے اور کہا کہ لوگ آپس میں لڑکر تباہ ہورہے ہیں۔آپ عمرؓ کے بیٹے اور رسول اللہ کے صحابی ہیں پھر آپ کیوں خاموش ہیں؟اس فساد کو ختم کیوں نہیں کرتے؟ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میری خاموشی کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے کسی بھی مسلمان بھائی کا خون مجھ پر حرام قرار دیا ہے۔اس پر انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ وفساد باقی نہ رہے۔ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم (قران کے حکم کے مطابق) لڑے ہیں یہاں تک کہ فتنہ یعنی شرک وکفر باقی نہ رہا اور دین خالص اللہ کے لئے ہوگیا لیکن تم لوگ چاہتے ہو کہ تم اس لئے لڑو کہ فتنہ اور فساد پیدا ہو اور دین اسلام ضعیف ہو۔کافروں کی جیت ہو اور اللہ کے برخلاف دوسروں کا حکم سنا جائے (صحیح بخاری ۶/۲۶ رقم ۴۵۱۳)

مسند احمد کی ایک صحیح حدیث کے مطابق عبداللہ بن عمر رضی اللہ

نے حضرت یزید کے خلاف لڑنے والوں کو بادشاھت یا ملوکیت کی خاطر لڑنے والا قرار دیا ہے۔چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرؓ ہمارے پاس تشریف لائے ہمیں امید تھی کہ وہ ہم سے عمدہ احادیث بیان کریں گے لیکن ہم سے پہلے ہی ایک آدمی جن کا نام حکم تھا بول پڑا اور کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! فتنہ کے ایام میں قتال کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان سے اس وقت تک قتال کرو جب تک فتنہ باقی رہے۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیری ماں تجھ پر روئے کیا تجھے معلوم ہے کہ فتنہ کیا چیز ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے قتال کیا کرتے تھے۔

اس وقت مشرکین کے دین میں داخل ہونا فتنہ تھا ایسا نہیں تھا جیسا آج تم حکومت یا ملوکیت کی خاطر قتال کرتے ہو۔(مسند احمد ۲/ ۹۴، رقم ۵۶۹ و اسنادہ صحیح)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ موصوف عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی سیاسی سرگرمیوں کے سخت خلاف تھے اور اسکو غیر شرعی سمجھتے تھے اور لوگوں سے اسی کا ذکر بھی کرتے تھے۔

ابو برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ کا موقف

صحابی رسول ابو برزۃ الاسلمیؓ تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جنگ کے اس درجہ مخالف تھے کہ اللہ کی قسم کھا کر فرماتے تھے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ صرف دنیا کے لڑ رہے ہین اور یہ صحیح بخاری میں سے ''جب ابن زیاد اور مروان شام میں تھے اور ابن زبیرؓ نے مکہ میں اور خوارج نے بصرہ میں قبضہ کر لیا تھا تو میں (راوی) اپنے والد کے ساتھ ابو برزۃ الاسلمیؓ کے پاس گیا۔ جب ہم ان کے ہاں کمرے کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے جو بانس کا بنا ہوا تھا۔ ہم ان کے پاس گئے اور میرے والد ان سے بات کرنے لگے اور کہا اے برزۃ! آپ نہیں دیکھتے کہ لوگ کن باتوں میں آفت اور اختلاف میں الجھ گئے ہیں؟ مین نے ان کی زبان سے سب سے پہلی بات یہ سنی کہ میں جوان قریش کے لوگوں سے ناراض ہوں تو محض اللہ کی رضا مندی کے لئے۔ اللہ میرا اجر دینے والا ہے عرب کے لوگو! تم جانتے ہو پہلے تمہارا کیا حال تھا۔ تم گمراہی میں گرفتار تھے اللہ نے اسلام کے ذریعہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تم کو اس بری حالت سے نجات بخشی۔ یہاں تک کہ تم اس رتبہ تک پہنچے (یعنی دنیا کے حاکم بن گئے) پھر اسی دنیا نے تم سب کو خراب کر دیا دیکھ یہ شخص جو شام میں حاکم بن بیٹھا ہے یعنی مروان دنیا کے لئے لڑ رہا ہے۔ یہ لوگ جو تمہارے سامنے ہیں (خوارج) واللہ یہ لوگ صرف دنیا کے لئے لڑ رہے ہیں اور وہ جو مکہ میں (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ) وہ بھی صرف دنیا کے لئے لڑ رہا ہے (صحیح بخاری۔ کتاب الفتن ۹/ ۵۷) یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی صحیح سند کے ساتھ موجود ہے نیز مستدرک حاکم میں بھی صحیح سند کے ساتھ یہ موجود ہے۔

جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا موقف

صحابی رسول جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لڑائی کے سخت مخالف تھے۔ امام احمد روایت پیش کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ ''ابو عمران عبدالملک بن حبیبؒ کہتے ہیں کہ

میں نے جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ شام جاؤں تو جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسا مت کرنا میں نے کہا کہ وہ لوگ اس پر راضی نہیں ہیں۔ جندب بن عبداللہؓ نے کہا کہ مالی فدیہ دے کر بس کرو۔ میں نے کہا کہ وہ لوگ ان کے سوا کسی بات راضی نہیں کہ میں ان کے ساتھ تلوار لے کر نکلوں۔ اس پر جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فلاں شخص نے مجھے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کے ساتھ آئے گا اور کہے گا کہ اے میرے رب! اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے قتل کیوں کیا؟ تو وہ کہے گا کہ میں نے اسے فلاں شخص کی ملوکیت (بادشاھت) کے لئے قتل کیا۔ اس کے بعد جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا' اس لئے اے ابو عمران تم اس سے بچو (مسند احمد ۱۴۵/۲۷ و اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین)

غور کیا جائے کہ ملوکیت کی خاطر کسی کو قتل کرنے پر حدیث میں جو وعید آئی ہے۔ اس کو حضرت جندب لوگوں سے بیان کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی میں شرکت کا ارادہ رکھتے تھے۔

عبداللہ بن عمر و بن عاص رضی اللہ عنہ کا موقف

صحابی رسول عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنھما کی سیاسی سرگرمیوں کے سخت مخالف تھے اور اسکو فساد و الحاد سے تشبیہ دیتے تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ صحابی رسول عبداللہ بن عمرؓو عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئے اس وقت وہ حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابن زبیر! آپ حرم میں فساد و الحاد سے بچیں کیونکہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قریش کا ایک شخص مکہ کو حلال کر لے گا اور اس کے حلال کئے جانے کا سبب بنے گا، اگر اس کے گناہ جن و انس کے گناہوں کے بالمقابل وزن کیئے تو اس کے گناہ کم پڑ جائیں گے۔ عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ پھر اے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، آپ وہ شخص نہ بننا کیونکہ آپ نے صحیفے پڑھے ہین اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بھی اختیار کی ہے۔ اس پر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں جہاد کے لئے شام جا رہا ہوں (مسند احمد ۲۱۹۱۲۔

و اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین) اس روایت میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایت نقل کی ہے وہ صحیح ثابت اور مرفوع ہے۔اس کو موقوف قرار دینا درست نہیں۔علامہ البانیؒ نے بھی مرفوعا صحیح قرار دیتے ہوئے کہا۔''اس مرفوع حدیث کے بعض طرق میں رجل کا نام عبداللہ بتلایا گیا ہے جیسا کہ گزرا (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ)

صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کی ان تمام تصریحات سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل غیر مناسب تھا اور اسی کی بنا پر اہل شام ان کے خلاف کارروائی کرنے کیلئے مجبور ہوئے تھے اور اگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید رحمہ اللہ کی مخالفت نہ کی ہوتی تو اہل شام بھی ان کے خلاف لشکرکشی نہ کرتے۔اس صورت حال میں مکہ میں جو ہوا جیسے کعبہ کو آگ لگی تو اس کی ذمہ داری عبداللہ بن زبیر رضی اللہ علیہ پر ہے کیونکہ اہل شام کا مقصد خانہ کعبہ پر حملہ نہ تھا بلکہ ان کا مقصد صرف عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرنا تھا۔

شیخ ابن تیمیہؒ کے درج ذیل اقتباس سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ بنوامیہ کا دامن اس داغ سے پاک وصاف تھا' شیخ ناقل ہیں''جہاں تک مسلم بادشاہوں، بنوامیہ، بنوعباس اور ان کے نائبین کی بات ہے تو بلاشبہ،ان میں سے کسی نے بھی خانہ کعبہ کی اہانت کبھی نہ کی، نہ تو یزید کے نائب نے، نہ عبد الملک الحجاج بن یوسف کے نائب نے،اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی نے، بلکہ مسلمان تو ہمیشہ سے ہی خانہ کعبہ کی تعظیم کرتے آئے ہیں۔ان میں سے بعض کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کو گرفتار کیا جائے اور منجنیق کا استعمال عبداللہ بن زبیرؓ رضی اللہ عنہ ہی کی خاطر ہوا تھا نہ کہ خانہ کعبہ کی خاطر اور یزیدؒ نے ہرگز بیت اللہ کو منہدم نہیں کیا اور نہ ہی اسے جلانے کا ارادہ کیا اور یقیناً ایسا اقدام نہ تو یزید نے کیا اور نہ ہی اس کے نائبین نے کیا۔اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق واجماع ہے (منہاج السنہ ۴/۵۷۷)

ایک نازک صورت حال یہ بھی ہے کہ لوگ جذباتی طور پر ایک طرف عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسری طرف یزید بن معاویہؒ کو رکھ کر اس بات کا فیصلہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حق پر کون تھا جبکہ یہ معاملہ جذباتی نہیں بلکہ سیاسی تھا اور یہ موازنہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور یزید کے درمیان کا نہیں بلکہ موازنہ عبداللہ بن زبیر اور دوسرے صحابہ کرام کے درمیان کا بھی تو ہے جیسا کہ ابھی گزرا۔

ابھی قارئین نے مشاہدہ فرمایا کہ اگر ایک طرف عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یزید کی حکومت کی مخالفت کررہے تھے تو دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ پانچ صحابہ یعنی عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن عمرؓ جندب بن عبداللہ اور ابو برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنھم یہ سب کے سب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کررہے ہیں۔ اگر عام طور پر تمام صحابہ اور بالخصوص مذکورہ پانچوں صحابہ کے افکار و آراء کو پیش نظر رکھا جائے تو معاملہ صاف ہوجاتا ہے کہ حضرت یزیدؒ اس سیاسی امر میں حق پر تھے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خطا پر تھے۔

اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی جو مخالفت کی وہ اس بنا پر نہ تھی کہ وہ فاسق و فاجر یا اس منصب جلیل کے لائق نہ تھے بلکہ اس بنا پر مخالفت کی کہ عبداللہ بن زبیرؓ کے مطابق باپ کے بعد بیٹے کا جانشین بننا درست نہ تھا کیوں کہ اس سے ملوکیت کی راہ ہموار ہوتی ہے لیکن یزید کو خلیفہ بنانے میں یہ مقصد کارفرما نہ تھا نیز خلافت یزید پر امت مسلمہ کا اتفاق کامل ہوگیا تھا لہٰذا ان حالات میں ان کا خلافت یزید سے اختلاف کرکے جنگ کرنا ایک سیاسی غلطی تھی جس کی تمام صحابہ نے مذمت کی لیکن چونکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے اور ان کا مقصد نیک نیتی ہی ہوگا اور اگر یہ خطا تھی تو اجتہادی خطا تھی جس میں عدم صواب کے باوجود وہ ایک اجر کے مستحق ہیں رضی اللہ عنہ

اے اللہ مجھے ٦٠ ھ تک زندہ نہ رکھنا

عمر صدیق نے حرّہ کی خرافات کے بعد ایک اور گل کھلایا اور وہ یہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یزید کی خلافت کے زمانے سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے اس سلسلے میں مقرر موصوف فرماتے ہیں ''حضرت (ابو ہریرہؓ) دعا کیا کرتے تھے اے اللہ مجھے ساٹھ ہجری میں زندہ نہ رکھنا یہ روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں ہے۔ طریق ابی زرعہ دمشقی میں ہے۔ ابی العباس میں بھی ہے۔ یہ روایت حکما مرفوع ہے کہا کرتے تھے کہ ساٹھواں سال ابو ہریرہؓ کو نہ پائے۔ کیونکہ یزید بن معاویہ ساٹھ کو بادشاہ بنا تھا اور حافظ ابن حجر نے لکھا ہے فتح الباری میں کہ یزید بن معاویہ کی وجہ سے ابو ہریرہ یہ کہا کرتے تھے۔''

جواب۔ پاکستان کے کسی مولف نے بھی ایک مختصر جواب عمر صدیق کی ہفوات کا دیا ہے لیکن وہ کافی مختصر ہے اور بہت سے مدّوں کو یوں ہی چھوڑ دیا ہے ویسے بہت سے مباحث کو تفصیلاً بھی نقل کیا ہے لیکن موصوف نے عمر صدیق کے اس حدیث کے پیش کرنے پر یہ کہا کہ کیا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو علم غیب تھا کہ انکو پتہ چل گیا تھا کہ یزید ۶۰ھ میں خلیفہ بن جائے گا اور اسی لئے انہوں نے ۶۰ء سے قبل ہی اس سال سے پناہ مانگنا شروع کر دیا اور چلئے جان بھی گئے کہ خلیفہ بننے والا ہے اور فتنہ ہوگا تو انہوں نے دوسرے صحابی کو یہ کیوں نہ بتا دیا تاکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو خلیفہ نہ بناتے۔

تو ہم مصنف موصوف کو بتانے پر مجبور ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر دلوانے میں علم غیب کی کوئی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ یزیدؒ کو تو ۵۰ھ میں امیر معاویہ نے بیعت ولیعہدی کے ذریعہ عوام الناس کو آگاہ کر دیا تھا اور سب نے وفات معاویہؓ سے دس سال قبل ہی انکو خلافت کا والی تسلیم کر لیا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال سے دس سال قبل ہی سب جانتے تھے کہ یزید ہی خلیفہ بننے والے ہیں اس لئے اس موقوف روایت کی تو قلعی ہی کھل گئی ویسے صفحات آئندہ میں اس روایت کی اسنادی حالت اس روایت کی کمزور پوزیشن کو ظاہر کر ہی دے گی۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی اس طرح کی دعا کے احادیث میں کئی طرق ہیں لیکن ان کے معانی و مفاہیم کے تعین میں سخت اضطراب ہے اور اس میں تطبیق جمیل و فہم سلیم مطلوب ہے۔ایک روایت (جیسا کہ عمر صدیق نے پیش کی) مین ہے کہ اے اللہ مجھے ۶۰ھ تک زندہ نہ رکھنا اور بقول عمر صدیق حکماً مرفوع روایت ہے کہ اے اللہ ۶۰ھ مجھے نہ پائے۔

عمر صدیق صاحب سے توجہ کا طالب ہوں کہ وہ اس حقیقت پر غور و فکر کیوں نہیں کرتے کہ اس روایت میں یہ ذکر تو ہے کہ صحابیؓ ۶۰ھ سے قبل فوت ہونے کی دعا کرتے تھے لیکن اس سے حضرت یزیدؒ کی کوئی مذمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سے تو حضرت یزید کی فضلیت ثابت ہوتی ہے۔تفصیلات آئندہ اس حقیقت ثابتہ کا انکشاف کر دیں گی۔

امام ابوالعباس الاصم محمد بن یعقوب بن یوسف النیسا پوری (المتوفی ۳۴۶ھ نے کہا ''عمیر ہانی کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے بازار میں چلتے اور کہتے اے اللہ مجھے سن ساٹھ کا زمانہ نہ ملے اور کہتے کہ اے لوگو! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑو نیز یہ بھی کہتے کہ اے اللہ! مجھے بچوں کی امارت کا دور نہ ملے (الثانی من حدیث ابی العباس الاصم ق ۱۶۹/۱ ۲۰۷ اواسنادہ صحیح واخرجہ البیھقی فی دلائل النبوۃ للبیھقی ، ابن عساکر فی تاریخ دمشق البدایہ والنہایہ المقریزی۔ ابوزرعہ (دمشقی) مذکورہ روایت موقوف ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دعا ہے۔ اس میں دو باتیں مذکور ہیں ۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ۶۰ھ کا دور نہ پانے کی دعا کی ہے ۲) ابو ہریرہؓ نے بچوں کی امارت کا دور نہ پانے کی دعا کی ہے۔

ابو ہریرہؓ کی اس روایت میں دو باتوں کے ایک ہی قول میں ذکر ہونے سے بعض اہل علم یہ سمجھے کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی دور سے متعلق ہیں۔ حالانکہ یہ فہم حدیث رسول کی روشنی میں غیر درست ہے۔

دو باتوں کے ایک روایت میں ہونے سے مغالطہ

فہم کامل کے پیش نظر ابو ہریرہؓ سے ہی مروی روایت پڑھیں۔ ابن ابی شیبہؒ المتوفی ۲۳۵ھ نے فرمایا ''صحابی رسول سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن ستر (۷۰) کے اوائل سے پناہ مانگو اور بچوں کی امارت سے پناہ مانگو۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۴۹/۱۵ واسنادہ صحیح ومن طریق وکیع اخرجہ احمد فی مسند ۴۸۶/۱۵ واخرجہ ایضا بزار وابن عدی فی الکامل والحاکم۔ البدایہ والنہایہ وصحہ البانی) یادر ہے یہ قول صحابی نہیں بلکہ حدیث رسول ہے اس فرمان میں بھی دو باتیں ہیں اول یہ کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے سن ستر (۷۰) کے دور سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور ستر (۷۰) سے مراد یہاں ہجری تاریخ نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد زریں میں ہجری سن کا آغاز ہی نہ ہوا تھا لہٰذا اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (موت) کے بعد کے ستر سال ہیں اور ہجری سال کے اعتبار سے یہ سن (۸۰) ہجری کا دور ہوگا جیسا کہ ان شاء اللہ ۷۰ ہجری والی حدیث کے ضمن میں ذکر ہوگا ان شاء اللہ۔

دوسری بات اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی امارت کے دور سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے یعنی اس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم مین بھی دو طرح کی باتیں ایک ساتھ ہی درج ہیں

جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول میں ہے۔لیکن حدیث رسول میں ۶۰ ہجری نہیں بلکہ ۷۰ ہجری کا ذکر ہے جس سے سن ۸۰ ہجری مراد ہے جیسا گزرا اب اگر اس حدیث سے بھی اسی طرح استدلال کیا جائے جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کیا جاتا ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ فرمان رسول کے مطابق کم عمر بچوں کی امارت کا دور ۸۰ ہجری کا ہے۔لہٰذا ایسی صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہونے کی صورت میں غیر مسموع (نا قابل سماعت) ہوگا۔اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و سلم کا فرمان ہی مقدم ہوگا یعنی کم عمر بچوں کی امارت کا دور اسّی (۸۰) ہجری ہوگا نہ کہ ساٹھ (۶۰) ہجری اور ایسی صورت حال میں یزیدؒ کی امارت کو کم عمر بچوں کی امارت قرار دینا فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی ہوگی۔کیونکہ یزیدؒ اس دور سے بہت ہی قبل اس دنیا سے انتقال فرما گئے۔

لیکن یہ ایک نفس الامری حقیقت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول مذکورہ اور حدیث رسول کے مذکورہ فرمان میں کوئی تعارض (ٹکراؤ) نہیں ہے کیونکہ ان دونوں ہی اقوال میں کم عمر بچوں کی امارت کے دور کی تعیین وتحدید نہیں کی گئی ہے بلکہ دو الگ الگ باتوں کا بیان ہے۔ایک بات کا تعلق محدود دور میں ظاہر ہونے والے ایک خاص فتنہ سے ہے لیکن ان مذکورہ دونوں اقوال میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ یہ امارت کس دور میں ہوگی اور مذکورہ دونوں باتوں کے درمیان عربی کا جو''و'' ہے یہ مغایرت (الگ الگ کرنا) کے لئے ہے جیسا کہ تعوذ کی دعاؤں کے معاملے میں ہے۔

اس مغائرت کی مثال دیتے ہوئے شیخ عبدالرحمٰن العقمی سبعین یعنی ۷۰ والی روایت کے بارے میں ناقل ہیں ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سن ستر (۷۰) کے اوائل (شروع کے حصے) سے پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ چاہو۔اس مقام پر بچوں کی امارت کا دور سن ستر میں نہیں بتایا گیا ہے اور اس حدیث کا یہ معنی ہر گز نہیں کہ بچوں کی امارت سن ستر (۷۰) کے اوائل میں ہوگی۔اس لئے اس روایت میں من راس السبعین ومن امارت الصبیان میں درمیان کا''و'' مغایرت کے لئے ہے۔یعنی دو چیزوں کے الگ کرنے کے لئے جیسے کوئی کہے کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اشترا کی کی نظام سے اور سرمایہ دارانہ نظام سے۔۔۔(مسائل سلطانیہ ص ۸ للشیخ عبدالرحمٰن العقمی)

اس تطبیق کے نتیجے میں ابو ہریرہؓ کے قول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مابین کوئی تعارض نہیں رہتا۔ اگر کوئی اس تطبیق جمیل سے متفق نہیں ہوتا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو ابو ہریرہؓ کے قول پر مقدم کرتے ہوئے یہ تسلیم کرے کہ وفات رسول کے ستر (۷۰) سال بعد تک یعنی اسی ۸۰ ہجری کے اوائل تک بچوں کی امارت کا وجود ناممکن ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا وجود اپنی موت کے ستر سال بعد بتایا ہے۔

بچوں کی امارت کے دور کا عدم تعین

گزشتہ بحث میں اس امر کی وضاحت بطریق احسن ہوتی ہے کہ روایات میں صرف بچوں کی امارت کے وقوع کا ذکر تو ہے البتہ اس کے دور کا تعین غیر معلوم ہے اور بچوں کی امارت سے متعلق اور بھی متعدد روایات ہین لیکن ان میں بھی دور کا تعین نا معلوم ہے۔ البتہ ایک موقوف روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن ساٹھ سے قبل اپنی موت کی دعا کرتے نظر آتے ہیں اور اسی روایت میں بچوں کی امارت کو نہ پانے کی دعا کرتے ہوئے پائے جاتے ہین لیکن اسی کے علی الرغم ایک حدیث مرفوع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے ستر سال بعد یعنی سن اسّی ۸۰ ہجری سے پناہ مانگنے کا حکم دیتے ہیں اور ساتھ ہی بچوں کی امارت سے بھی پناہ طلب کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اس مرفوع روایت کے سامنے آجانے کے بعد یہ حقیقت طے ہو جاتی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت میں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث میں بچوں کی امارت والے دور کی تحدید وتقیید نہیں ہے چہ جائے کہ اس کو دور حضرت یزید سے مختص کیا جائے۔

عمر صدیق نے تصدیقا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو پیش کیا

اس بحث کے آغاز میں جہاں ہم نے عمر صدیق کے وہ الفاظ لکھے ہیں جس کا اس بحث سے تعلق ہے اس کے آخر میں عمر صدیق کہتے ہیں کہ اور حافظ ابن حجر نے لکھا ہے فتح الباری میں کہ یزید بن معاویہ کی وجہ سے ابو ہریرہ یہ کہا کرتے تھے تو اس تعلق سے قارئین کے افادہ عامہ کے پیش نظر ہم حافظ ابن حجر کے اس تسامح کو پیش کرتے ہیں ویسے ابو زید ضمیر کی تردید وتغلیط میں تالیف کی گئی اپنی کتاب ضرب شدید میں ہم نے بہت کچھ کہا تھا آج یہاں ماقبل ومابعد کا مخلوطہ پیش کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متعدد مقامات پر یزید کا دفاع

بھی فرمایالیکن متعدد مقامات پر شیعی فکر ونظر کا شکار ہوئے ہیں جس کا ذکر ہم اپنی کتاب ضرب شدید بر مذمت یزید میں کر چکے ہیں۔اس مقام پر بھی حافظ ابن حجر نے اپنی فکر کے مطابق بچوں کی امارت کے دور کی شروعات حضرت یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے تسلیم کی ہے یہ کہ کر کہ مذکورہ بچے بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جن کی امارت کی طرف حدیث میں اشارہ ہے اوران میں سے پہلا شخص یزید ہے(فتح الباری۱۰/۱۳)اوراس بات کو دلیل فراہم کرتے ہوئے ناطق ہیں''جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے سن ساٹھ کا زمانہ نہ ملے'اے اللہ! مجھے بچوں کی امارت نہ ملے(فتح الباری۱۰/۱۳)اس سے یہ مستفاد ہوا کہ حافظ ابن حجر نے یزید بن معاویہ کی امارت وخلافت کو بچوں کی امارت وخلافت سے تعبیر کرنے کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت کو حجّت بنایا ہے لیکن جیسا کہ قارئین گذشتہ بحث میں یہ پڑھ چکے ہیں کہ ایک صحیح مرفوع روایت میں بچوں کی امارت کے ساتھ سن اسی ۸۰ ہجری کا تذکرہ ہوا ہے ہے،اب اگر حافظ ابن حجر کے طریقئہ استدلال کو بروئے عمل لایا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بچوں کی امارت کی ابتداسن اسی ۸۰ ہجری سے ہوگی اور ایسی صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مخالف و معارض ہونے کی بنا پر لائق اعتبار نہ ہوگا۔لیکن 'مناسب اور موضوں امر یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث دونوں میں محدود سن والے جملے اور بچوں کی امارت والے جملہ کو الگ الگ سمجھا جائے جیسا کہ سطور گزشتہ میں بالتفصیل پیش کیا گیا ہے۔ذھن نشین رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا امارت حضرت یزید رحمہ اللہ کو بچوں کی امارت میں شمار کرنا روشن اور واضح حقائق کے مخالف ومعارض ہے اس لئے کہ یزید رحمہ اللہ امارت کو سنبھالنے کے وقت بچے تھے ہی نہیں۔میں نے ضرب شدید بر مذمت یزید میں بدلائل اس کو ثابت کیا ہے وہاں رجوع کریں۔تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ حافظ موصوف نے بھی اس حقیقت کو محسوس کیا کہ یزید اس وقت بچے تو تھے نہیں غالبا اسی اشکال کے رفع کرنے کے نقطۂ نظر سے موصوف نے یہ تاویل پیش فرمائی کہ''صبی اور غلیم کا اطلاق کم عقل،نادان پر بھی ہوتا ہے اگر چہ وہ بالغ ہی کیوں نہ ہو اور اس حدیث میں صبی اور غلیم (بچوں) سے یہی مراد ہے اس لئے کہ بنوامیہ میں سے کوئی بھی خلیفہ نابالغ نہیں ہوا ہے یوں ہی ان کے عمال بھی تھے(فتح الباری۔۱۳/۹)

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یزید کو کم عقل اور نادان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ہمیں

یہ عرض کرنا ہے کہ مخالفین حضرت یزید موصوف کو بدعمل، بدکردار، قاتل حسین رضی اللہ عنہ، ظالم و جابر و قاہر و فاسق و فاجر تو ثابت کرتے ہیں جو محض خرافات و ہفوات میں سے ہے لیکن یہ کم عقل اور نادان کی کوڑی کہاں سے لائے ہیں معلوم نہیں کیونکہ یہ الزام تو کسی نے بھی نہیں لگایا ہے۔ تعجب ہے حافظ صاحب ایک طرف تو حضرت یزید کو حدیث غزوۂ قسطنطنیہ کے ضمن میں جنتی ثابت کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کو نادان اور کم عقل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ آخر اللہ کو غزوۂ قسطنطنیہ کا امیر لشکر کسی دانشمند اور چالاک و ذھین کو بنانا چاہیئے تھا ایک بے وقوف اور نادان کو غازی لشکر غزوۂ قسطنطنیہ بنا دیا اور اس لشکر کے متعدد سپہ سالاروں میں کبھی بھی کسی کو کامیابی نہ ملی بلکہ سب کے سب ناکام و نامراد لوٹے اور اتنے عقلمندوں، ہنرمندوں اور ماہروں کے مقابلے ایک بے وقوف کی بے وقوفی کام آئی۔ ایں چہ بوالعجبی است۔ اگر ہمیں طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم حضرت یزید کی حکمت عملی، دانشمندی، چالاکی اور ذھانت و فطانت پر صفحات کے صفحات بھر دیتے لیکن ہمیں قارئین کے صبر کا امتحان نہیں لینا ہے۔ ویسے بھی مضامین کی خشکی سے قارئین سر درد کا شکار تو ہو ہی گئے ہوں گے۔

تو ہم پھر فتح الباری میں حافظ صاحب کے یزید کیلئے استعمال کئے گئے صبی اور غلیم کی بحث میں لوٹتے ہیں بہرحال حافظ صاحب کی یہ تاویل کہ صبی اور غلیم کا اطلاق کم عقل اور نادان پر بھی ہوتا ہے محض باطل ہے۔ نیز اصول تو یہی ہے کہ نصوص شرعیہ کو اصلاً حقیقت پر محمول کیا جانا چاہیئے لہٰذا بچوں کی امارت والی حدیث حقیقت پر ہی محمول ہوگی کیونکہ تاویل محتاج دلیل ہوتی ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ سلف میں کسی نے بھی اس حدیث کی تاویل نہ کی۔ بلکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے مطابق الفاظ حدیث کے معانی پر کتاب تصنیف کرنے والے امام ابن الاثیر المتوفی ۶۰۶ ھ نے اس طرح کے الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا ہے۔ بطور دلیل حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ امام ابن الاثیر نے کہا کہ اُغلیمہ سے مراد چھوٹے بچے ہیں اسی لئے اس کا اسم تصغیر لایا گیا ہے فتح الباری ۱۳/۱۰) یوں ہی متقدمین میں سے کسی نے بھی اس حدیث کا مصداق یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرار نہ دیا۔

حدیث بخاری میں یزید کو اس حدیث کا مصداق نہ بنایا

جیسا کہ ہم نے کہا کہ سلف میں سے کسی نے بھی یزید رحمہ اللہ کو اس حدیث کا مصداق قرار نہ دیا بلکہ درج ذیل حدیث بخاری میں تو سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے اس کا مصداق دوسرے ایسے بچوں کو بتایا ہے جن کا زمانہ عہد یزید رحمہ اللہ سے بہت بعد کا ہے۔ اس حدیث کو ہم اپنی کتاب ضرب شدید میں زیر بحث لا چکے ہیں اور پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے بھی اپنی کتاب خلافت اموی خلافت راشدہ کے پس منظر میں بھی نقل کی ہے۔ روایت پیش خدمت ہے ''عمرو بن یحییٰ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے میرے دادا سعید نے خبر دی، کہا کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بیٹھا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے صادق ومصدوق سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کی تباہی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ مروان نے اس پر کہا کہ ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کس کس خاندان سے ہوں گے۔ پھر جب بنی مروان شام کی حکومت پر قابض ہوگئے تو میں (عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو) اپنے دادا (سعید بن عمرو) کے ساتھ ان کی طرف جاتا تھا۔ جب وہاں انہوں (سعید بن عمرو) نے نوجوان لڑکوں کو دیکھا تو کہا شاید یہ انہیں میں سے ہوں۔ ہم نے کہا کہ آپ کو زیادہ علم ہے (صحیح البخاری ۹/۴۷) کتاب الفتن رقم ۷۰۸۵) اور مسند احمد میں روایت ہے کہ ''وہ لوگ بچوں سے بھی بیعت لے رہے تھے اور ایسے بچے سے بھی بیعت لے رہے تھے جو کپڑے میں لپٹا ہوتا تھا (مسند احمد محقق ۱/۵۸ واسنادہ صحیح

اس حدیث میں سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے حدیث مذکورہ کا مصداق یزیدؒ کے بدلے دوسرے بچوں کو بتایا ہے اور حضرت یزید کی جانب کوئی اشارہ تک نہیں فرمایا۔ اور ان کے پوتے سے بھی اس موقع پر یزید رحمہ اللہ کا کوئی حوالہ نہ دیا۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس زمانے تک کسی نے بھی بچوں کی امارت والی روایت کو حضرت یزید پر فٹ نہ کیا تھا۔ غرضیکہ بچوں کی امارت والی حدیث کو حقیقت پر ہی محمول کیا جانا چاہیئے تاکہ یہ تاویل سے محفوظ رہے اور ویسے بھی سلف میں سے کسی نے نہ اس کی تاویل کی اور نہ اسے حضرت یزید رحمہ اللہ پر فٹ کیا۔ اس لئے اس کو حضرت یزید رحمہ اللہ پر فٹ کرنا ایمان وانصاف کے خلاف ہے۔

حافظ بن حجرؒ نے تاویل والے نکتے کے سوا ایک بات اور کہی ہے وہ یہ کہ ''کیونکہ یزید عام طور پر شہروں کے بڑے امراء کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے اقرباء میں سے چھوٹے چھوٹے لوگوں کو بٹھا دیتا تھا (فتح الباری ۱۰/۳) لیکن اسکی کوئی حقیقت نہیں یہ محض افواہ ہے۔ نہ جانے حافظ موصوف نے کہاں سے اس کو نقل کر دیا۔ علاوہ ازیں یزیدؒ کو چھوٹا امیر ثابت کرنے کے لئے یہ دوراز کار تاویل ہے۔ اگر چھوٹے امراء یزیدؒ کے ماتحت تھے خود یزید نہ تھا تو اس صورت میں حدیث مذکور کو صرف چھوٹے امراء پر ہی فٹ کرنا چاہئیے۔ بلا وجہ حضرت یزیدؒ کو کیوں کھینچ کر اس معرض میں لایا جا رہا ہے؟ اگر چہ ایسی صورت حال یزید کے حکم سے ہی پیدا ہوئی ہو لیکن بہر حال یہ حکم تو حضرت یزیدؒ کے یہ حکم صادر کرنے سے یزیدؒ کی عمر تو چھوٹی نہ ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس دوراز کار تاویل کی رو سے یزید چھوٹے امیر (نوعمر) اس لئے ثابت ہوئے کیونکہ انہوں نے چھوٹی عمر (کم عمر) کے امراء متعین کئے تو اس دلیل سے تو حضرت امیر معاویہؓ بھی چھوٹے امیر ثابت ہو جائیں گے کیونکہ انہوں نے خود اپنے بیٹے کو خلافت کیلئے نامزد کیا! نہ جانے حافظ صاحب کیوں اتنی باریک بینی اور تاویل سے کام لے رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے حافظ صاحب ان تمام تاویلات کو سن ساٹھ والی روایت کی وجہ سے اختیار کرتے نظر آتے ہیں لیکن اس روایت کی کیا حالت ہے؟ آپ حضرات تو پہلے ہی سے اس کا مطالعہ کر رہے تھے۔

ساٹھ ہجری کے فتنے کا ذمہ دار کون؟

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ سن ساٹھ ہجری کے فتنے کا ذمہ دار کون ہے؟ ابو ہریرہؓ نے سن ساٹھ سے قبل اپنی موت کی دعا کی ہے۔ اس میں شک نہیں ابو ہریرہؓ کی اس دعا سے کسی نہ کسی فتنے کی نشاندہی تو ہوتی ہے لیکن روایت کے کسی حصے سے یہ قطعی اشارہ نہیں ملتا کہ یہ فتنہ یزیدؒ کی جانب سے ہوگا اس اعتبار سے حضرت یزید کی ذات گرامی پر کوئی حرف نہیں آتا۔

اگر کوئی کہے کہ یہ فتنہ عہد یزیدؒ میں ہوا تو جواب عرض ہے کہ اس فتنے سے بڑے فتنے حضرت علیؓ کے زمانے میں ہوئے۔ جنگ جمل، جنگ صفین میں صحابہ کرام کی بڑی تعداد شہید ہوئی بلکہ علیؓ کے زمانے میں جتنا خون صحابہ کرام کا بہا اتنا تو یزیدؒ کے پورے عہد میں بھی نہ ہوا تو کیا ان فتنوں کی ذمہ داری حضرت علیؓ کے کھاتے میں ڈالی جائے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری اس سازشی سبائی ٹولے پر ہوگی جس نے صحابہ کرام کے مابین یہ مہلک اور پر پیچ جنگ واقع کروائی اور اسی لئے یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے یزید بن معاویہ کے

خلاف سازش کی تا کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑایا جائے۔
یہی معاملہ دور یزیدؒ کے فتنہ کا بھی ہے یعنی اس دور کے فتنوں کی ذمہ داری حضرت یزید پرنہیں جاتی بلکہ اس فتنہ کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے یزید بن معاویہؓ کے خلاف سازشیں کیں تا کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر تباہ و برباد کیا جائے اس لئے کہ اس سے قبل بھی یہ سبائی ٹولی قتل حضرت حسینؓ کے ایام میں اپنا خونیں کردار ادا کر چکی تھی۔

یہ اور بات ہے کہ اس مشن میں بھی وہ نا کام و نامراد رہے پھر اسی ٹولے نے مکہ و مدینہ میں حضرت یزید کے خلاف سازشیں کیں۔ان پر ترک نماز، شراب نوشی اور عیاّ شی جیسے بدترین الزامات لگانے کی کوشش کی حتی کہ صحابہ کرامؓ تک اس فتنہ کا شکار ہوئے اور قتل بھی ہوئے۔غرضیکہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے سن ساٹھ کے فتنہ کی طرف جو اشارہ کیا ہے تو اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہ فتنے پیدا کئے نہ کہ یزیدؒ جن پر ہم بے دلیل و برھان الزامات عائد کرتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ کا رویہ بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کی ذمہ داری وہ حضرت یزیدؒ پرنہیں ڈال رہے کیونکہ امیر معاویہؓ کے عہد خلافت ہی میں یزیدؒ کی بیعت ولیعہدی ہو چکی تھی اور تمام صحابہ کرام اس پر آمادہ ہو چکے تھے اور حضرت ابو ہریرہؓ اس وقت حیات تھے اور بیعت میں شامل تھے لیکن ایک روایت بھی ایسی نہ ملے گی جس میں یہ ثبوت ہو کہ آپ نے اس روایت کی بنا پر صحابہ کرام میں یزید کی مذمت کی جانب ادنیٰ سا بھی کوئی اشارہ کیا ہو۔ پھر وہ اپنی اس بیعت کے پیشگی وعدہ سے منحرف کیسے ہو سکتے تھے؟ اس سے قبل ضرب شدید بر مذمت یزید میں میں نے یہ نکتہ بیان کیا تھا کہ اگر ابو ہریرہ کا اس حدیث سے اشارہ یزید ہوتے تو اسی مجمع بیعت و لیعہدی میں اس راز کو فاش کر دیتے اور اگر جان بوجھ کر چھپایا تو پھر صحابی موصوف نے ظلم کیا اور واقعہ کربلا کی خوں ریزی کی پوری ذمہ داری ابو ہریرہؓ پر آ جاتی۔ پھر نہ حرّہ ہوتا اور نہ حصار مکہ کے افسوسناک حالات، پھر نہ شیعہ ہوتے نہ خوارج۔ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس روایت کے ایک حصے سے ابو ہریرہؓ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ صبی اور غلیم یعنی بچے تو اس سے مراد یزید ہے تو روایت کے دوسرے حصے میں یزید کے والد حضرت معاویہ کی حکمت عملی سے تمسک کرنے کا حکم ثابت ہے۔
چنانچہ مذکورہ حدیث کو پھر پڑھیں اور سر دھنیں اس لئے کہ حق سر پر چڑھ چکا

ہے حدیث ہے ''ابو ہریرہؓ کہتے اے اللہ! مجھے سن ساٹھ کا زمانہ نہ ملے اور کہتے اے لوگو امیر معاویہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑو۔(الثانی من حدیث ابی العباس الاصم و اسنادہ صحیح)

غور کیا جائے سن ساٹھ ہجری سے پناہ طلب کرنے کے ساتھ ابو ہریرہؓ حضرت معاویہ کی حکمت عملی سے تمسک پر زور دے رہے ہیں اور یزید رحمہ اللہ کی ولیعہدی اور خلافت یزید یہ بھی امیر معاویہؓ کی حکمت عملی کے نتائج ہیں۔اس سے تو بالکل برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابو ہریرہؓ ان حقائق سے واقف تھے کہ بیعت یزید کو لازم پکڑنے میں ہی عافیت ہے اور جب یہ دور آیا تو صحابہ کرامؓ کو انہوں نے یہی وصیت فرمائی۔

عمر صدیق نے پھر ستر ۷۰ ھجر والی روایت پیش کی

عمر صدیق نے کہا حضرات تیسری حدیث مشکوۃ کتاب القضا والا مارۃ فصل ثالث میں ابو ہریرہ سے روایت ہے۔مسند احمد میں سند کے اعتبار سے حسن لذاتہ ہے صحیح فرماتے تھے نبی نے فرمایا کہ ستر کی دہائی کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔اب نبی نے فرمایا کہ ستر کی دہائی کے شر سے اللہ کی پناہ چاہو علماء بیٹھے ہیں ستر کی دہائی کا سر (راس) ۶۱ ۶۲ ۶۳ ہے آؤ اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہے۔حسین کو شھید کرنے والے کی حکومت ہے اور وہ یزید ہے۔آپ کہیں گے وہ کیسے؟ یہ حدیث کی کتاب تنقیح الروایات ہے۔اس کے مصنف احمد حسن دہلوی اور ساتھ ابو سعید شرف الدین دہلوی اور اس پر نظر ثانی کرنے والے استدراکات کرنے والے مولانا محمد حنیف بھجیانی ھیں۔صفحہ ۱۱۷ اور دوسری جلد میں ہے کہ اس سے مراد جاہل چھوکرا یزیدؒ بن معاویہ تھا۔اہلحدیثو! اہلحدیثوں کے سردار یہ بتا رہے ہیں کہ اس سے مراد یزیدؒ ہے''

جواب۔یہ روایت جو عمر صدیق نے پیش کی ہے اس کے عربی الفاظ یہ ہیں حدثنا وکیع، عن کامل ابی العلاء عن ابی صالح عن ابی ہریرہ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعوّذوا باللہ من راس السبعین ومن امارۃ الصبیان (مصنف ابن ابی شیبہ، احمد، بزار، ابن عدی فی الکامل، حاکم ابو یعلی، والحدیث صححہ الالبانی فی الصحیحہ) یہ روایت مرفوع ہے اور بالکل صحیح ہے اور علامہ البانی نے اپنی صحیحہ میں اس کی تصحیح فرمائی ہے رقم ۳۱۹۱)

اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سن ستر ۷۰ سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے لیکن ہمیں یہ تدبر کرنا ہے کہ اس روایت میں ستر ۷۰ سے کیا مراد ہے کیونکہ اس کی صحت پر ہی اس کا کسی پر اطلاق موقوف ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں اس کی شرح میں یعنی بقول اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سبعین

(ستر سال) سے ہجرت کے بعد کے ستر سال کو مراد لیا ہے یا اپنی وفات کے بعد کے ستّر سال کو مراد لیا ہے (مرقات المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ۲۴۱۸/۴) ہم یہ کہتے ہیں کہ ملاعلی قاری کی بیان کردہ ان دو باتوں میں دوسری بات جو کہی ہے وہی صحیح ہے یعنی اللہ کے نبی کی اس حدیث میں میں سبعین سے ہجری سال مراد لینا بالکل غلط ہے کیونکہ دور رسول میں ہجری سال کا کوئی وجود ہی نہ تھا یہ تو دور فاروقی میں شروع ہوا۔

اس لئے یہ بات طے ہوجاتی ہے کہ مذکورہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ستر (۷۰) سے اپنی وفات کے بعد کے ستر (۷۰) سال مراد لئے ہیں کیونکہ آپ مستقبل کی پیش گوئی فرما رہے ہیں۔ظاہر سی بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد ہی سے ستر (۷۰) سال مراد لے رہے ہیں۔ذھن نشین رہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین سال قبل اسلام قبول فرمایا تھا۔اسی لئے ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہؓ کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ حدیث سنائی ہو۔اس صورت حال میں اگر مذکورہ حدیث کے صدور کے بعد کے ستر (۷۰) سال مراد لیں تب بھی بات ایک ہی ہوگی یعنی آپؐ نے مذکورہ حدیث اپنے سال وفات میں ارشاد فرمائی۔

اور وفات رسول کی تاریخ ہجری سال کے اعتبار سے گیارہ (۱۱) ہجری ہے اور وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے ستر (۷۰) سال بشمول سال وفات ہجری سال کے اعتبار سے ۸۰ ہجری کا سال ہوگا۔گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سن اسّی (۸۰) ہجری کے اوائل (شروع) سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ایسی صورت میں مذکورہ حدیث میں سبعین سے مراد سن ستر (۷۰) ہجری ہی لے لیں (جو بالکل غلط ہے) تو بھی یزید بن معاویہ کا زمانہ اس کا مصداق نہ ہوگا کیونکہ امیر یزیدؒ تو ۷۰ ہجری سے ٦ سال قبل سن ۶۴ھ میں ہی وفات پا گئے تھے۔

عمر صدیق نے سن ستر کے راس کو وسیع کیا

عمر صدیق صاحب نے راس سبعین سے مراد ستر کی دہائی کے سر کو ہی لیا ہے فرماتے ہیں ’’علماء بیٹھے ہیں۔ستر کی دہائی کا سر ۶۱، ۶۲، ۶۳، آ ؤ اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ حسین کو شہید کرنے والے کی حکومت ہے

اور وہ یزید ہے'' ستر کی دہائی کے سر کا مطلب ہے کہ ستر کی دہائی کی شروعات ٦١ سے ہوگی پھر ٦٢ پھر ٦٣ پھر ٦٤ پھر ٦٥ اور آخر میں دہائی ٧٠ تو راس سبعین کا مطلب سن ستر نہیں بلکہ ٦١، ٦٢ اور ٦٣ یعنی یہ سن ستر کے آغاز کے ہیں اور اس ستر کی دہائی کے سر ہیں۔ تو اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ مذکورہ حدیث میں سبعین سے مراد ستر کی دہائی یعنی پورا عشرہ یعنی ٦١ سے ٧٠ تک کا، ہے تو عرض ہے کہ مذکورہ حدیث کے کسی بھی طریق میں عشر السبعین (ستر کی دہائی) کا لفظ نہیں ہے بلکہ ابو یعلی رحمہ اللہ کی روایت میں راس السبعین کی جگہ سنۃ سبعین ہے یعنی صرف سن ستر' ٦١ سے ٧٠ تک کا دور نہیں۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ حدیث میں صرف سن ستر مراد ہے نہ کہ ٦١ سے ٧٠ تک کی پوری دہائی جیسا کہ عمر صدیق نے ثابت کرنے کی کوشش کی جو اوپر ہم نے ذکر کیا اور یہ بھی یاد رہے کہ ابو یعلی کی صحیح روایت کی طرح امام بوصیری نے بھی اپنی اتحاف الخیرۃ المھرہ للبوصیری ص ١١٨/٨ میں نقل کیا ہے یعنی راس السبعین (ستر کی دہائی) کے بدلے صرف سن ستر ہی مراد لیا ہے اور سنۃ سبعین کے الفاظ والی روایت نقل کی ہے اور ابن ابی شبیہ سے بھی یہی مروی ہے یعنی سنۃ سبعین یعنی صرف سن ستر پس تینوں کا مستفاد یہ ہے کہ ابن ابی شبیہ' ابو یعلی اور امام بوصیری تینوں نے جو روایات نقل کی ہیں ان تینوں میں بجائے راس السبعین کے سنہ سبعین والی روایات نقل کی ہیں جس کا مطلب صرف سن ستر ہوتا ہے اور ٦١ سے ٧٠ کی دہائی ہرگز نہیں ہوتا کہ جس کا فائدہ اٹھا کر عمر صدیق حضرت یزید پر اس کو فٹ کر کے ان کی مذمت کا سامان فراہم کرنا چاہتے ہیں۔

ایک اور بات چھوٹ رہی تھی وہ یہ کہ ابو یعلی کی اس روایت کو مکمل سند کے ساتھ حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے اور یہ سند بالکل صحیح ہے اور اس میں بھی راس سبعین کے بجائے سنۃ سبعین ہے اور اس طرح عمر صدیق کو راس سبعین کا فائدہ ملنا اتنا آسان نہیں ہے اور یہ سند قطعی صحیح ہے۔ کامل بن العلاء اور ابو اصالح کا تعارف اوپر ہو چکا ہے اور زہیر بن حرب اور فضل بن دُکین یہ دونوں زبردست ثقہ راوی نیز بخاری و مسلم کے رجال (راوی) ہیں (جو ابن کثیر نے بیان کی)

لطف کی بات

مزے کی بات یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف روایت ملتی ہے (پیچھے گزری) جس مین انہوں نے راس ستین یعنی ۶۰ سے پناہ طلب کی ہے لیکن مخالفین یزید میں سے اس روایت کے بارے کوئی اس امر کا مدعی نہیں کہ اس سے مراد ستین ۶۰ کی دہائی یعنی پورا عشرہ ہے یعنی ۵۱ سے ۶۰ تک مراد ہے اوران دس سالوں کے ابتدائی ایام سے ابو ہریرہؓ نے پناہ مانگی ہے کیونکہ اس صورت میں ابو ہریرہؓ کی یہ دعا بالکل بے معنیٰ و بے سود نظر آئے گی کیونکہ وہ ایک ایسے دور سے قبل فوت ہونے کی دعا کر رہے ہیں جس دور کو پا چکے ہیں یعنی تحصیل حاصل اوراسی میں سانس بھی لے رہے ہیں۔

پھر اگر ابو ہریرہؓ کی دعا راس الستین میں ۶۰ سے مراد پورا عشرہ نہیں لیا جا سکتا تو پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان راس السبعین سے بھی ستر ۷۰ کا پورا عشرہ مراد نہیں لیا جا سکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا سے متعلق بعض طرق مین سنۃ ستین یعنی سن ساٹھ کا ذکر ہے تو عرض ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث کے بعض طرق میں بھی سنۃ سبعین کا لفظ ہے جیسا کہ اس سے قبل امام ابو یعلیٰ کی روایت پیش کی گئی ہے۔

ذھن نشین رہے کہ محققین کے نزدیک وہ تمام روایات غیر ثابت شدہ ہیں جن میں یہ ملتا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے سن ساٹھ کی ہجری یا اس کے اوائل سے پناہ طلب کی ہے البتہ پناہ مانگنے کی صراحت کے بغیر بعض مستند روایات میں صرف یہ ملتا ہے کہ ابو ہریرہؓ دعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ساٹھ ہجری سے پہلے وفات دے دے اور کسی زمانے سے پناہ طلب کرنا اور کسی زمانے سے پہلے موت کی دعا کرنا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان اور حضرت ابو ہریرہؓ کی دعا میں کوئی تعارض (ٹکراؤ) نہیں ہے وہ اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دور سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے لیکن اس سے پہلے موت مانگنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ جبکہ ابو ہریرہؓ نے ایک خاص

دور سے قبل موت طلب کی ہے لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث اور ابو ہریرہؓ کی موقوف روایت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اور الگ الگ زمانے سے متعلق ہیں۔ رہی یہ بات کہ ابو ہریرہؓ نے سن ساٹھ ہجری سے قبل موت کی دعا کیوں مانگی تو عرض ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں کوئی ناخوشگوار واقعہ یا حادثہ پیش آنے والا ہے لیکن اس کی ذمہ داری یزیدؒ پر ہوگی، یہ اس حدیث سے کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا بلکہ ابو ہریرہؓ کی بعض نصیحتوں سے تو یہ معلوم پڑتا ہے کہ اس ناخوشگوار واقعہ کے ذمہ دار وہ لوگ ہوں گے جو یزید بن معاویہؓ کے خلاف سازش کریں گے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ غرضیکہ جس طرح ابو ہریرہؓ کی دعا راس الستین میں ساٹھ ۶۰ سے مراد پورا عشرہ نہیں لیا جاسکتا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان راس السبعین سے بھی ستّر ۷۰ کا پورا عشرہ مراد نہیں لیا جاسکتا۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ باتیں اس صورت میں کہی جائیں گی جب یہ فرض کرلیا جائے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ فرمان میں سبعین سے ہجری سال مراد لیا ہے لیکن پہلے وضاحت ہوچکی ہے کہ اس حدیث میں سبعین (۷۰) سے ہجرت کے بعد کے ستر ۷۰ سال مراد نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ستر سال مراد ہیں کیونکہ ہجری سال کا رواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھا ہی نہیں۔

اس تمام تفصیل سے یہ مبرھن ہوا کہ اس مرفوع حدیث کا مصداق حضرت یزید تو درکنار، ان کا زمانہ بھی نہیں لہٰذا عمر صدیق کو اب بریلویوں اور شیعوں سے ملاقات کرکے کچھ دور کی کوڑیاں لانا چاہیے جو جائز ناجائز کسی بھی طرح سے حضرت یزید کو ان احادیث کا مصداق قرار دے دیں جو اوروں کے لئے ہیں۔

ستر کی دھائی کی وضاحت میں چند سلفی علماء کو پیش کیا

قارئین نے روایات کی خشک دنیا میں سفر کرتے کرتے بڑی پریشانی محسوس کی ہوگی لیکن ستر کی دہائی یا صرف ستر کی بحث کے خاتمے کے بعد ایک بات اس مبحث کی باقی رہتی ہے۔ ہم مجمل طور پر اس کی وضاحت سے فارغ ہوکر اگلی بحث یعنی یزید کے ظالم ہونے کے بارے میں اور اس پر لعنت کئے جانے کے مسئلہ پر آگے بڑھیں نگے۔ راس السبعین کے مبحث میں اس کا مصداق یزیدؒ کو بنانے کے بعد عمر صدیق اپنے سمجھے ہوئے مفہوم حدیث کی تائید وتوثیق کیلئے چند علماء کے نام پیش کرتے ہیں کہ مشہور و معروف اہلحدیث عالم احمد حسن دہلوی کے ساتھ مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی کی تصنیف تنقیح الروایات اور اس پر نظر ثانی کرنے والے اہلحدیث عالم مولانا محمد حنیف بھجیانی کے مطابق بھی اس حدیث کا مصداق یزید ہی ہے۔

اور یہ بیان کرنے کے بعد ان تینوں علماء کو سرداران اہلحدیث کے خطاب سے یاد کرتے ہوئے بہ آواز بلند اہلحدیثوں کو مخاطب کر کے ان کی غیرت کو للکارتے ہیں کہ دیکھو یہ اہلحدیث علماء بھی اس حدیث کا مصداق یزید کو ہی گردانتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسا حساس اور نازک مسئلہ ہے کہ بڑے بڑے علماء کرام کے پائے ثبات میں بھی تزلزل پیدا ہوا اور اس تاریخی عمل میں شیعوں کی جعل سازیاں وکارستانیاں بھی کارفرما ہیں۔ جو بھی تاریخ اسلام کا مطالعہ کرے گا وہ اس حقیقت ثابتہ کو ضرور محسوس کرے گا کہ متقدمین اور خیر القرون والے صحابہ، تابعین، تبع تابعین، علماء وفقہاء ومورخین ومحدثین تو مسئلہ یزید وتاریخ بنی امیہ کے سلسلے میں حق سے قطعی برگشتہ نہیں ہیں بلکہ یہ پورا طبقہ حضرت حسینؓ واقعہ کربلا، بیعت حضرت یزید واہل بیت وتاریخ بنی امیہ سے متعلق مباحث میں راہِ راست پر ہے اور اس کتاب کے گزشتہ مباحث میں بھی ہمارے قارئین نے یہ بدلائل مطالعہ کرلیا ہے کہ متقدمین کو حضرت یزید اور بنی امیہ سے کوئی پرخاش یا دشمنی نہیں لیکن علماء متاخرین اور بالخصوص مورخ طبری کی تاریخ طبری کی تالیف کے بعد اور کتب احادیث کے شارحین کے افکار وآراء میں بالکل ایک نئی فکر اور مخالفت حضرت یزید اور مخالفت خلفاء بنی امیہ کے دخول ونفوذ کو صاف محسوس کیا جاسکتا ہے اور متاخرین میں بھی ایک دو نہیں بلکہ متعدد علماء اکابرین اس مسئلہ میں پوری طرح راہ راست پر نہیں ہیں۔ حتی کہ شیخ الاسلام بن تیمیہؒ علوم وفنون کا بحر ذخار ہیں اور تمام علماء کے مقابلے میں سب سے زیادہ محفوظ ہیں، وہ بھی کہیں کہیں پر اسی تاریخی عمل کی بنا پر متاثر نظر آتے ہیں۔ ویسے مسئلہ یزید میں ان کا قول حجت اور محاکے کی حیثیت کا حامل ہے۔ شیعوں کے تاریخی عمل کے نتیجے میں ابن کثیر، حافظ ابن حجر، حافظ ذھبی، ملا علی قاری، علامہ سیوطی، علامہ ابن جوزی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسے لوگ بھی اچھے خاصے متاثر نظر آتے ہیں اور وہ کرتے بھی کیا! اس لئے کہ تاریخ ہم کو ملی ہی شیعوں کے ذریعہ سے۔ اور کوئی اس کو نہ مانے تو کم سے کم شیعی راویوں کے ذریعہ واقعہ کربلا، ومسئلہ یزید وبنی امیہ میں تمامتر اعتبار وتکیہ طبری کی تاریخ پر ہے اور شیعوں کی سب سے بڑی سازشیں اسی کتاب کے ذریعہ اسلام میں در آئیں پھر اسی کتاب سے تاریخ کی دوسری طفیلی کتابیں وجود پذیر ہوئیں حتی کہ ایک عظیم سلفی وموحد محدّث ومورخ وشارح علوم علامہ ابن کثیر بھی طبری کے زیر اثر روایت پرستی کے ایسے شکار تھے کہ فرماتے تھے کہ اس روایت کو ہم نقل نہ

طبری نے تو نقل کیا اس لئے ہم بھی مجبور ہیں نقل کیلئے ۔ بہرحال بات بہت طویل ہو جائے گی اس پر تو الگ سے ایک کتاب زیرِ غور ہے ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ جب مذکورہ صورت حال میں اکابرین تک اس مسئلہ کی خصوصی نزاکت کی بنا پر شیعی فکر و نظر سے جانے انجانے متاثر ہوئے ہیں تو پھر اگر متاخرین میں شاہ ولی اللہ، حافظ ذھبی، حافظ ابن حجر، علامہ ابن جوزی، علامہ ابن کثیر اور بقدر قلیل علامہ ابن تیمیہ وغیرھم متاثر ہو جائیں اور تھوڑا بہت مواد کربلا، یزید، اور تاریخ بنی امیہ کے بارے میں مخالفت میں، میسر آ جائے تو اس مسئلہ کو قران و سنت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیئے ۔ ایسے نازک ماحول میں بھی سب کے سب علماء اس شیعی فکر و نظر کے شکار نہیں ہوئے بلکہ متعدد علما محفوظ بھی تھے ۔ تو جو علماء محفوظ و مامون تھے ہمیں ان علماء کے افکار و آراء نیز قران و سنت کے دلائل اور سب سے بڑھ کتب احادیث اور سلف صالحین سے تعامل کے بعد اپنی راہ فکر و نظر کو متعین کرنا چاہیئے ۔ اس علمی تناظر میں عمر صدیق مولانا احمد حسن دہلوی مولانا ابوسعید شرف الدین اور مولانا محمد حنیف بھجیانی کے نام پیش کر کے اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ ہم اہلحدیث ہیں اور کسی بھی علم میں کسی کے مقلد نہیں پھر کیوں ان تین علماء کے نام کو پیش کر کے مولانا عمر صدیق جنگ جیتنے کا دعویٰ کرنے کا مظاہرہ کر رہے ہیں؟ اگر ان تین علماء نے ستر کی دہائی والی حدیث کا مصداق یزید کو ہی قرار دیا تو کیا ہوا؟ ہم مولانا عمر صدیق سے گذارش کرتے ہیں کہ سن ساٹھ ہجری اور سن ستر والی دونوں روایتوں کی تفصیلات کا مطالعہ کر کے خود مطمئن ہوں اور اپنی خرافات و ہفوات سے توبہ کریں ۔ اگر مولانا احمد حسن دہلوی، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی اور مولانا محمد حنیف بھجیانی زندہ ہوتے تو ہم ان پر بھی دلائل پیش کرتے اور ان شاء اللہ وہ اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہوتے ۔ یوں ہی حافظ ذھبی، حافظ ابن حجر، ملا علی قاری، علامہ سیوطی، علامہ ابن جوزی اور شاہ ولی اللہ زندہ ہوتے تو ہم ان پر بھی دلائل پیش کرتے ۔ ہم اہلحدیث ہیں قران و سنت میں ہر چیز کا حل موجود ہے ۔ پھر اصل دین کو نیچے والوں سے کیوں اختیار کیا جائے دین تو سلف سے لیا جائے گا ۔ اور یاد رہے تاریخ بنی امیہ اور مسائل یزید و حسینؓ میں متقدمین راہ صواب پر ہیں اور متاخرین تو کافی مشکوک اور مخدوش ہیں ۔ بحمدہ تعالیٰ امام ابوبکر بن العربی، علامہ محبّ الدین خطیب، امام غزالی، شیخ صلاح الدین یوسف، مولانا اسحٰق ندوی سندیلوی اور مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی اور محمود عباسی کی تالیفات کا مطالعہ کیا جائے

ان لوگوں نے تاریخ اسلام سے گندگی ختم کرنے میں ایک خصوصی کردار ادا کیا ہے اور ہندوستان میں ایک ابھرتے ہوئے شاہکار اور آئی آئی سی ممبئ میں تحقیق و تدقیق کا کام کرنے والے مولانا ابوالفوزان کفایت اللہ سنابلی ہیں جنہوں نے شیعی فکر ونظر کا قلعہ قمع کیا ہے اور ائی ائی سی ممبئ سے شائع ہونے والے اہل السنہ میں متعدد مضامین ردشیعیت اور رد مخالفت یزید سے متعلق موصوف کے شائع ہوئے ہیں اور میں نے شیخ ابوالفوزان سے گذارش کی ہے کہ وہ ہمیشہ ان مسائل میں تحقیق کرتے رہیں اور پاکستانی شیعی فکر ونظر کے علماء کے مکائد و معائب علمی کی فسوں کاری کو کیفر کردار تک پہنچائیں۔ مذکورہ ان تین علماء کے داؤد راز بھی اس حدیث کے ضمن میں، جس میں قریش کی لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے اسی فکر کے حامل ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ ''اس سے مراد یزید ہے'' جسکا ذکر ہم نے اپنی کتاب ضرب شدید میں کیا۔ داؤد راز صاحب نے یہ بات اپنی شرح بخاری میں اس حدیث کے ذیل میں کی ہے۔ یوں ہی قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی سیرت پر لکھی گئی اپنی کتاب رحمتہ للعلمین میں حضرت یزید کو پلید جیسے بدترین لفظ سے یاد کیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سو سال کی طویل مدّت میں اگر چند نام اس قسم کے سامنے آئیں تو یہ دلیل نہ بن جائے گا بلکہ ان باتوں کی تحقیق ہونا چاہئے اگر صحیح ہے تو ٹھیک ہے ورنہ سخت نوٹس لے کر اس کی اصلاح ہونا چاہیئے۔ آج علوم وفنون کی دنیا میں بھونچال آ گیا ہے اور انقلاب عظیم پیدا ہو گیا ہے، ساری دنیا نیٹ سے مربوط ہے۔ تمام کتابیں نیٹ میں موجود ہیں۔ تحقیقات شروع ہو چکی ہیں۔ کام جاری ہے ایسے علماء اور لوگ پیدا ہو چکے ہیں جو تنقید و تنقیح کا کام شروع کر چکے ہیں۔ لہٰذا اگر تاریخ وسیر مین کچھ منفی اور حنفی باتیں پائی جائیں تو ان کا تماشا نہ بنانا چاہیئے بلکہ سمجھنا چاہیئے''، سمجھ کر پڑھنا چاہیئے اور قران وسنت اور سلف پر اس کو پیش کرنا چاہیئے۔ یہاں تو معاملہ برعکس ہے یعنی خلف سے سمجھا جاتا ہے پھر سلف تک پہنچنے کی کوشش ہوتی ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر خلف سے سمجھنے کی کوشش ہوگی تو سلف تک شیطان پہنچنے ہی نہ دے گا، وہ کیوں اس کار خیر میں تعاون کرے گا؟ اس نے تو اللہ سے اس کے بندوں کو دائیں بائیں اوپر اور نیچے ہر چہار جانب سے مسلسل گمراہ کرنے کی قسم کھائی ہے اور وہ اپنا کام کر رہا ہے بلکہ کر چکا ہے اللہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عمر صدیق نے یزید پر لعنت کے دلائل پیش کرنے کی کوشش کی

مذکورہ بالا بحث کے بعد عمر صدیق نے کہا ''میں شیخوپورہ میں خطاب کررہا تھا۔نواصب نے میرے خلاف بڑا پروپیگنڈا کیا۔کہنے لگے اس نے (یزید کو) کافر کہا ہے۔اس کو لعنتی اور جہنمی کہا (یزید کو) نہ ہم کافر یا لعنتی اور نہ جہنمی کہتے ہیں۔لیکن میں اتنا بتادینا چاہتا ہوں کہ ائمہ اہلحدیث کا اتفاق ہے کہ یزید ظالم بادشاہ ہے حسین کے قتل سے بری نہیں ہے' واقعۂ حرّہ کے صحابہ اور تابعین کا قاتل یہی ہے۔صحابہ کی توھین کرنے والا یہی ہے۔اب کچھ ائمہ کہتے ہیں کہ اس پر لعنت کرنا جائز ہے اور جمہور کہتے ہیں کہ لعنت کرنا جائز نہیں۔لعنت کرنے والوں میں ابن جوزی رحمہ اللہ اپنی کتاب الرد علی المتعصب العنید الذی مانع من ذنب یزید میں' چھٹی ہجری کی کتاب ہے' جو اردو ترجمہ کے ساتھ (پاکستان میں) آچکی ہے تو اہل السنۃ کے دو گروہ ہیں۔اب جمہور کہتے ہیں کہ لعنت نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت سے منع کیا ہے۔اس لئے ہم احتیاط کرتے ہیں لعنت نہیں ڈالتے لیکن اہل السنہ میں کچھ علماء ایسے بھی ہیں جو لعنت ڈالنے کے قائل بھی ہیں اس کو جائز سمجھتے ہیں۔یہ میں نے ان کا موقف آپ کے نوٹس میں لانا ضروری سمجھا ہے۔حضرات اب یہ ایک موقف ہے۔اب میں نے آپ کو تین حدیثیں سنائی ہیں

۱) ھلاک اُمتی ۲) لاتدرکنی سنۃ ستین ۳) اور یہ کہ میں ستر کے سر (راس السبعین) سے پناہ مانگتا ہوں۔محدثین کا اتفاق ہے کہ ان تینوں کا مصداق یزید بن معاویہؓ ہے۔اب آگے چلتے ہیں۔اسلاف کا اس میں کیا موقف ہے؟ وقت کم ہے۔میں نے تو کہا کہ گھڑی کے بارہ بجیں تو میرے بھی بارہ بج جاتے ہیں''

جواب۔جیسا کہ ہم نے اسی کتاب میں آغاز میں نواصب کے بارے کچھ معلومات فراہم کی ہیں۔عمر صدیق ہر اس شخص کو ناصبی قرار دے دیتے ہین جو حضرت یزید اور بنی امیہ کے خلفاء کیلئے نرم گوشہ رکھتا ہے جبکہ نواصب سے وہ لوگ مراد ہیں جو آل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھتے ہیں نیز یہ لوگ حضرت حسن، حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنھم سے دشمنی رکھتے ہیں اور انکا اہل السنہ والجماعہ سے کوئی تعلق نہین کیونکہ اہل السنہ شیعوں اور نواصب (ناصبی کی جمع) کے درمیان ہیں۔اس وضاحت کے بعد کیا کوئی کہ سکتا ہے

کہ اہلحدیث کا وہ طبقہ جو حضرت یزید معاویہ اور خلفاء بنی امیہ کا خیر خواہ ہے ناصبی ہے۔

مذکورہ اقتباس میں عمر صدیق نے کہا کہ وہ یزید کو لعنتی اور جہنمی قرار نہیں دیتے لیکن اتنا ضرور ہے کہ ائمہ اہلحدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ یزید ظالم بادشاہ ہے حضرت حسین کے قتل سے بری نہیں۔ صحابہ و تابعین کا قاتل ہے اور صحابہ کی توھین کرنے والا ہے تو قارئین نے یہ جان لیا ہے کہ یہ سب بے صفحہ کی باتیں ہیں ان پر موصوف نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ یزید کے ظالم بادشاہ ہونے پر ائمہ اہلحدیث کا اتفاق نقل کیا۔ ہم کہتے ہیں کہاں ہے وہ اتفاق اور کب ہوا؟ کہاں مرقوم (لکھا) ہے؟ آج پورے ہندوستان میں اہلحدیث علماء اپنی اپنی مساجد سے محرم کے ایام میں جمعہ کے خطبات میں حضرت یزید اور بنی امیہ کا خصوصی دفاع کرتے ہیں' حضرت یزید کو قتل حسین سے بری ثابت کرنے میں دلائل پیش کرتے ہیں اور میں ممبئ کی ایک ایک مسجد کے امام سے اور عالم سے ملاقات کرتا ہوں۔ میں نے آج تک ایک بھی اہلحدیث عالم ایسا نہ پایا جس نے یزید کو ظالم کہا ہو۔ پہلی بار ابو زید ضمیر نے اس بند میں سیندھ لگایا ہے اور پہلی بار ابو زید ضمیر نے علاقائی طور پر (مہاراشٹرا میں) حضرت یزیدؒ پر وہ رسوائے زمانہ بیان دے کر اہلحدیثوں کو منفی طور پر متاثر کیا لیکن ہم نے اپنی کتاب ضرب شدید سے اس کے برے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت پیدا فرمائی۔

مخالفین یزید کے خلاف ہم بھی خاموش نہ بیٹھیں گے۔ ہم ان کے تعاقب کی حتی المقدور کوشش کریں گے۔ ہمارے عزائم عنقریب معلوم ہوں گے ان شاء اللہ۔ کتابوں کی تقسیم میں ہماری ملاقات ائمہ مساجد اور علماء مدارس سے ہوتی ہے۔ تمام ائمہ مساجد اور علماء مدارس یزید مخالف مقررین سے ناراض ہیں۔

عمر صدیق نے اسی جاری اقتباس میں یہ دعوی کیا کہ ائمہ اہلحدیث کا اتفاق ہے کہ یزید ظالم بادشاہ تھا اور قتل حسین سے بری نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ عمر صدیق کو دعویٰ بلا دلیل نہ کرنا چاہئیے بلکہ دلیل پیش کرنا چاہئیے کہ یزید ظالم تھا۔کون سے علماء اہلحدیث کا اتفاق ہے کہ یزید ظالم تھا۔ ہزاروں علماء وفقہا ومحدثین میں اگر چند علماء چاہے وہ دور قدیم کے ہوں یا دور جدید کے۔اس کو تمام ائمہ کا موقف کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر حضرت یزید ظالم ہوتے تو حرّہ والوں پر فوراً حملہ کرنے کا حکم دیتے۔تین دن کی مہلت نہ دیتے۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تمام سرگرمیوں سے وہ واقف تھے لیکن کبھی بھی جارحیت، شدت یا انتقام کا مظاہرہ نہ فرمایا۔اگر حضرت یزید ظالم ہوتے تو سادات اور بنو ہاشم کے لوگ حضرت یزید کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو گئے ہوتے بلکہ یہ ایک شاندار موقع تھا قتل حسین کے انتقام کا۔لیکن اہل بیت نے حضرت یزید کے لشکر کو مدینہ میں داخل کروانے میں مدد کی۔صحابہ کرام نے حضرت یزید کے ساتھ حرّہ میں تعاون کیا۔پھر اسی کتاب میں سیرت حضرت یزید کے اس پہلو پر روشنی ڈالنے والے بہت سے حقائق و معارف ہین ان کو زیر غور لائیں ان شاء اللہ مسئلہ کھل کے سامنے آ جائیگا کہ حضرت یزید ظالم تھے یا ان کے مخالفین۔

ایک دوسرا دعویٰ کہ یزید قتل حسین سے بری نہ تھا۔یہ دعوی بھی دعویٰ بلا دلیل ہے۔امام غزالی نے اپنی مولفات میں اور ابوبکر ابن العربی نے اپنی مصنفات میں ثابت کیا ہے کہ حضرت یزید کا دامن قتل حسین سے قطعی بری ہے اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی منہاج السنہ میں تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت یزید قتل حسین سے بری ہیں۔علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ تمام مورخین کا اس حقیقت پر اتفاق ہے کہ یزید بن معاویہ نے حضرت حسین کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔البتہ اس نے ابن زیاد کو یہ ضرور لکھا تھا کہ وہ آپ کو عراق کی امارت سے روکے اور جب اسے (یزید) شہادت حسین کی خبر لگی تو اس نے اس پر شدید رنج و غم کا اظہار کیا اور ان کے گھر سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اور اس نے اہل بیت کی عورتوں کو کبھی بھی بندی نہ بنایا بلکہ ان کا اکرام کیا۔انہیں اکرام کے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دی بلکہ ان کو وہاں پہنچایا۔رہیں وہ روایات جو کتب شیعہ میں درج ہیں کہ آل بیت رسول کی عورتوں کی توہین کی گئی اور انکو قیدی بنا کر شام لے جایا گیا باطل ہیں یہی وجہ تھی کی جب عبدالملک بن مروان کو فاطمہ بنت عبداللہ بن جعفر ہاشمیہ سے حجاج بن یوسف کو گورنر عراق

کے نکاح کی خبر لگی تو اس نے اسے مسترد کر دیا اور حجاج کو حکم دیا کہ وہ اس سے جدا رہے اور اسے طلاق دے دے (اس سے ثابت ہوا کہ) وہ بنو ہاشم کی تعظیم کرتے تھے بلکہ ہاشمی خواتین کو بھی قیدی نہیں بنایا گیا (منہاج السنہ ۵۵۷)

علامہ فضیلۃ الشیخ عثمان بن محمد الناصری آل خمیس نے اپنی کتاب آئینہ ایام تاریخ (اردو ترجمہ) میں مذکورہ بالا حقائق و معارف پر تفصیل طلب بحث کی ہے جس سے ہمارے موقف کی پوری تائید ہوتی ہے۔

ہماری اسی کتاب کے آغاز میں عمر صدیق کے ذریعہ ہی یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت یزید قتلِ حسین سے بری ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ وہ اسی تقریر میں عمر صدیق کے الفاظ پر غور کریں۔ وہ یہ کہ خود عمر صدیق نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اقوال سے ثابت کیا کہ قتل حسین کا ذمہ دار یزید نہین بلکہ کوفی (عراقی) ہیں اور اس سلسلے میں ہم نے دوسری احادیث بخاری پیش کی ہیں جن سے یہ صاف واضح ہے کہ قتل حسین کے ذمہ دارن میں کوفی یا عراقی شامل ہیں نہ کہ یزید بن معاویہؒ۔

یزید بن معاویہ پر لعنت کرنے کا مسئلہ

اسی جاری بحث میں محولہ بالا اقتباس میں ہے کہ عمر صدیق نے کہا کہ کچھ ائمہ کہتے ہیں کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے اور جمہور کہتے ہیں لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور یہ بھی کہا کہ محدث ابن جوزی نے اپنی کتاب الرد علی المتعصب العنید الذی ھو مانع من ذنب یزید میں لعنت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ پھر عمر صدیق نے کہا کہ اگر چہ جمہور نے لعنت سے منع کیا ہے لیکن کچھ علماء نے جواز کا فتویٰ دیا ہے لہٰذا اس کو نوٹس میں لانا ضروری سمجھتا ہوں۔ حیرت ہے جب جمہور نے منع کیا تو صحیح تو یہی ہوگا پھر بعض علماء کے لعنت کرنے کے موقف کو عوام کی نوٹس میں لانا موصوف کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟ ظاہر سی بات ہے کہ یزید کے سلسلے میں موصوف کا موقف جب منفی ہے تو وہ منفی پہلو ہی پیش کریں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب ٹھیک ہے لیکن نالا وہیں سے بہے گا جیسے ابو زید ضمیر نے بہایا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسئلہ لعنت بر یزید

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید پر لعنت بھیجنے کے مسئلہ پر بڑی جامع بحث کی ہے ہم اس کو

منہاج السنہ سے نقل کرتے ہیں ذھن نشین رہے کہ یہ جواب شیخ نے شیعوں کے کئے گئے ایک سوال کے جواب میں دیا فرماتے ہیں ''اس کا جواب یہ ہے کہ یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں شرعی حکم وہی ہے جو اس کے نظائر و امثال اور خلفاء و ملوک کے بارے میں ہے بلکہ یزید مقابلتاً ان سے بہتر ہے۔ مثلاً یزید مختار سے افضل ہے، جس نے قاتلین حسین سے انتقام لیا تھا۔ مختار کا دعویٰ تھا کہ اس پر جبرائیل نازل ہوتے ہیں۔ اسی طرح یزید حجاج کے مقابلے میں بہتر ہے۔ تاہم یزید اور اس کے امثال (اس جیسے) کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ فاسق تھے اور کسی مخصوص فاسق پر لعنت کرنا شرعاً مامور نہیں ہے البتہ سنت نبوی میں مختلف گروہوں پر لعنت کرنے کی اجازت ملتی ہے۔ مثلاً چوروں پر لعنت کرنا یا سود لینے اور دینے والے نیز حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے اور شراب پینے اور پلانے والے پر شرعاً لعنت کی اجازت ہے'' (منہاج السنہ ص ۴۳۸ اردو ترجمہ۔ ناشر مکتبہ الفہیم)

اس عبارت میں یہ جو ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ یزید اور اس کے امثال کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ یہ فاسق تھے لیکن موصوف نے اس کی کوئی دلیل نہین پیش کی اور دلیل ہے بھی نہیں اور اگر ہے تو شیعی راویوں کی پیش کردہ ہے۔ ویسے خود ابن تیمیہ نے حضرت یزید کی بھرپور تعریف و توصیف کی ہے اور ان پر لگائے گئے الزامات کا ازالہ بھی کیا ہے بلکہ اسی منہاج السنہ میں شراب نوشی اور دیگر فسق و فجور سے ان کو مبرا قرار دیا ہے بلکہ حدیث غزوٰہ قسطنطنیہ میں بخاری کی حدیث کے مطابق امیر موصوف کو مرحوم و مغفور تسلیم کیا ہے، ان کو خلیفہ و امام تسلیم کیا ہے لیکن دیگر محققین کی طرح ابن تیمیہ سب سے کم لیکن کسی حد تک متاثر ہوئے ہیں جیسے کہ اسی مقام پر یہ جو فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ وہ فاسق تھے۔ ہم کہتے کہ کیسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ فاسق تھے۔ خود ابن کثیر نے اپنی البدایہ والنہایہ میں آٹھوین جلد مین یزید پر لگائے گئے فسق و فجور کے الزامات کی تردید کی ہے لیکن تردید کے بعد بھی کہیں کہیں ان کے خلاف ان کے ارمان انگڑائی لینے لگتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہوا کہ شیعوں نے ہماری تاریخ میں یزید مخالف اتنا مواد بھر دیا کہ متاخرین کی کوشش بسیار کے باوجود وہ اس سے بچ نہ سکے۔ آگے ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ''فقہاء کی ایک جماعت کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ کسی متعین شخص پر لعنت کرنا شرعاً جائز ہے مگر دوسری جماعت اسے ناروا قرار دیتی ہے۔ امام احمد بن حنبل کسی معین شخص پر لعنت بھیجنے کو مکروہ سمجھتے ہیں'' ص ۴۴۰ میں شیخ فرماتے ہیں ''شیعہ نے جو

روایت امام احمد سے نقل کی ہے۔اس ضمن میں ثابت شدہ روایت وہ ہے جوامام احمد کے بیٹے صالح نے ان سے بیان کی ہے۔آپ نے فرمایا:اورتو نے اپنے والد کوکسی پرلعنت بھیجتے کب دیکھا؟امام احمد سے لعنت کی روایت منطقع ہےاورآپ سے ثابت نہیں ہے''(منہاج السنہ ازابن تیمیہؒ)

ابن جوزی کی مخالفت حضرت یزید

اسی جاری عبارت میں عمرصدیق نے یزید پر
لعنت کرنے کی بحث کرتے ہوئے علامہ ابن جوزیؒ کی کتاب الردعلی المتعصب العنید المانع من ذنب یزید کا حوالہ بھی پیش کیا ہےاورکہا کہ ابن جوزی بھی یزید پرلعنت کے قائل ہیں۔تو اس سلسلے میں ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ عرض کرتے ہیں کہ ابن جوزی کی یہ کتاب ھم نے بالاستیعاب مطالعہ کی ہے۔یہ مولانا مودودی کی خلافت وملوکیت کی ہم پلہ ہے۔جس غیرذمہ داری کے ساتھ مولانا ابوالاعلی مودودی نے خلافت بنی امیہ کی مذمت کا اہتمام فرمایا بالکل ویسے ہی بلکہ اس سے بھی کم تر معیار پرابن جوزی نے حضرت یزید پراپنا بخاراتارا ہے۔یہ کتاب پاکستان سے اردو میں بھی شائع ہوچکی ہے۔ہمارے پیش نظرمنہج اہلحدیث کی اصلاح سے متعلق متعدد کتابیں ہیں۔اگرہم جلدان سے فارغ ہوسکےتو اس کتاب کاردان شاءاللہ ضرور کریں گے۔ویسے بھی سیوطی کی طرح ابن جوزی کوبھی اپنی کتابوں کی تعداد بڑھانے کا شوق تھاجیسے ابوزید ضمیر کونیٹ میں اپنی تقاریرکو محفوظ کرکے رکارڈ قائم کرنے کا شوق ہےاوراتنا شوق ہے کہ عموما اہلحدیث مساجد میں پانچ طاق راتوں میں تقریروں کا اہتمام کیا جاتا ہے جوبدعت ہےلیکن موصوف پورے آخری عشرے میں رات کے پروگرام کرتے ہیں جس طرح اورنگ آباد میں ایک سلفی صاحب روڈ پردسوں راتوں میں جلسہ کا اہتمام کرتے ہیں۔نہ جانے اہلحدیث سے یہ بدعات کب ختم ہوں گی۔علماء اہلحدیث کوجلسوں کے انعقاد کا تو بہت شوق ہےلیکن بدعات کے جڑ پکڑنے کے بارے میں پینی نظرکم ہوتی نظرآرہی ہےاورتبلیغ دین میں منہجیت کا خیال کئے بغیرجس کے جو سمجھ میں آتا ہےکرگزرتا ہےاورعلماء بھی اس پرغوروفکرکئے بغیربس بولنے کےشوق میں لگ جاتے ہیں۔

یزید بن معاویہ کے بارے میں امام احمد کا رجوع

یزید بن معاویہ سے متعلق امام احمد بن حنبلؒ کی طرف ایک جھوٹی روایت منسوب کر دی گئی اس کو ابو زید ضمیر نے بھی اپنی تقریر میں پیش کیا تھا اسی کو عمر صدیق نے بھی پیش کیا۔لیکن تفصیل سے دوسری روایت پیش کی جس میں مدینہ لوٹنے کا الزام ہے۔اس روایت میں ہے کہ امام احمد یزید پر لعنت کے جواز کے قائل تھے جبکہ یہ غلط ہے ایسی کوئی روایت ثابت نہیں تفصیل درج ذیل ہے۔

امام ابو یعلی بن الفراء المتوفی ۴۵۸ھ نے فرمایا کہ امام صالح کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا کہ لوگ ہم سے یہ منسوب کرتے ہیں کہ ہم یزید سے محبت کرتے ہیں تو انہوں نے کہا بیٹا! کیا کوئی ایسا شخص یزید سے محبت کر سکتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو تو میں نے کہا کہ پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے تو انہوں نے کہا کہ کیا تم نے مجھے کسی پر لعنت کرتے دیکھا ہے اور تم اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے جس پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے؟ تو میں نے کہا اللہ نے کہاں اپنی کتاب میں یزید پر لعنت کی ہے تو انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین پر فساد برپا کر دو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو یہ وہی لوگ ہیں جس پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جس کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے (المسائل العقدیہ من کتاب الرواتین الوجہین لابی یعلی ص ۹۴ واخرجہ ابن الجوزی فی الرد علی المتعصب العنید ص ۲۸)

جواب۔ذہن نشین رہے کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے کیونکہ اس میں یکے بعد دیگرے چار مجہول رواۃ آئے ہیں وہ یہ ہیں ابو القاسم فرج بن السوادی، ابو طالب العکبری، ابا بکر محمد بن العباس، ابو الحسین بن الجندی۔ابو یعلی کو بھی ان رواۃ کے نام نہ ملے۔اسی لئے ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو منہاج السنہ میں منقطع کہا جس کو ہم نے ابھی نقل کیا۔ابن جوزی نے اپنی کتاب الرد علی المتعصب العنید میں اسی روایت کو پیش کیا جو سخت ضعیف ہے۔لہٰذا جو لوگ بار بار اس روایت کو پیش کرتے ہیں تا کہ یزید کی بدنامی ہو، تو وہ اس کو پیش کرنا بند کر دیں۔

امام احمد کا جرح یزید پر ایک قول اور بعد میں رجوع

امام ابوبکر الخلال المتوفی ۳۱۱ھ نے کہا۔ ''منہا بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے یزید بن معاویہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ وہی ہے جس نے مدینہ میں وہ کیا جو کیا۔ میں نے کہا کیا کیا؟ تو انہوں نے کہا مدینہ میں لوٹا۔ میں نے کہا: تو کیا اس سے حدیث بیان کی جائے؟ انہوں نے کہا اس سے حدیث بیان نہ کی جائے اور کسی کے لئے مناسب نہیں کہ اس سے حدیث لکھے۔ میں نے امام موصوف سے کہا۔ اس وقت مدینہ میں اس کے ساتھ کون لوگ تھے جب اس نے مدینہ میں وہ کیا جو کیا؟ انہوں نے کہا۔ اہل شام تھے میں نے کہا اور اہلِ مصر؟ انہوں نے کہا نہیں۔ مصر والے تو عثمانؓ کے معاملے میں ان کے ساتھ تھے (السنہ للخلال ۵۲۰/۳ و اسنادہ صحیح وھو کذا) یہی وہ قول ہے جو امام احمد سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اور زبیر علی زئی نے بھی اس سے استدلال کیا لیکن خود زبیر علی زئی ہی کے اصول کی روشنی میں اس سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس قول کی بنیاد ثابت نہیں۔ ساتھ ہی امام احمد نے اپنے اس قول سے رجوع بھی فرما لیا۔ اس راویت میں امام احمد حضرت یزید پر جرح کے ساتھ ساتھ مدینہ میں لوٹ پاٹ بھی نقل فرما رہے ہیں جبکہ امام احمد بن حنبل نے حضرت یزید کا دور نہیں پایا ہے لہٰذا روایت کا یہ حصہ منقطع السند ثابت ہوا۔ اس روایت کو صحیح کہنے کا مطلب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل تک سلسلہ سند صحیح ہے اس سے آگے زمانہ یزیدؒ تک سلسلہ سند مذکور ہی نہیں لہٰذا اس اعتبار سے یہ روایت منقطع قرار پائی۔ رہی بات احمد بن حنبل کے اپنے موقف سے متعلق تو بے دلیل ہونے کی بنا پر یہ غیر مسموع ہے محدثین کو یہ حق تو ہے کہ وہ اپنے زمانے سے ماقبل کے راویوں پر حفظ وضبط اور صدق وکذب کے اعتبار سے جرح کریں اس لئے کہ ان کی بنیادیں وہ روایات ہوتی ہیں لیکن کسی بھی محدث کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنے سے قبل والے زمانے کے کسی شخص پر لوٹ پاٹ کا الزام عائد کرے کیونکہ یہ علم غیب سے متعلق ہے۔ چونکہ امام احمد نے حضرت یزید پر اپنی جرح کی بنیاد اس لوٹ پاٹ کو بنایا ہے جبکہ یزید کا یہ کردار سرے سے ثابت ہی نہیں۔ اس لئے غیر ثابت شدہ امور کی بنا پر یہ جرح مردود ہے اور امام احمد کو بھی اپنی اس بات کا احساس بعد میں ہوا لہٰذا اس خیال سے رجوع فرما لیا۔ رجوع

کی دلیل ملاحظہ ہو۔ دکتور محمد بن ہادی الشیبانی ناقل ہیں ''امام احمدؒ کی وفات سے تین دن قبل ان کے جو عقائد تحریر کیئے گئے ان میں ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے تھے اور معاملے کو اللہ پر چھوڑتے تھے (مواقف المعارضہ فی عہد یزید بن معاویہ ص ۸۲۲ بحوالہ طبقات الحنابلہ ج ۲۔ص ۲۷۳) مذکورہ بالا قول اس امر کی دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اخیر میں یزید بن معاویہ کے معاملے کو اللہ کے ذمہ چھوڑ دیا یعنی امیر موصوف پر ظلم یا لوٹ مار کے الزام سے رجوع کرلیا تھا بلکہ امیر موصوف کو خیر القرون کی فضیلت کا حامل بھی بتایا چنانچہ امام ابوبکر الخلال متوفی ۳۱۱ھ نے فرمایا ''ابوطالب عصمہ بن ابی عصمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے سوال کیا کہ جو کہے کہ یزید بن معاویہ پر اللہ کی لعنت ہو اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ جس نے یہ بات کہی ہے وہ معتبر ہے اور میں آپ کے قول کو اختیار کروں گا۔ اس پر امام احمد نے جواب دیا ''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے' پھر ان کا زمانہ ہے جو اس کے بعد آئیں گے اور یزید اس دور کے لوگوں میں شامل ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے جس پر لعنت کی یا برا بھلا کہا تو اے اللہ اسے اس کے حق میں رحمت بنا دے۔ اس لئے خاموشی ہی میرے حق میں بہتر ہے (السنہ للخلال ۵۲۱/۳' رقم ۸۴۶ و اسنادہ صحیح) اس روایت اور پوری بحث سے اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ حضرت یزیدؒ کو مومن اور خیر القرون کی فضیلت کا حامل قرار دیتے تھے اور اپنے سابق موقف سے رجوع بھی فرمالیا۔ مذکورہ سرخی کے تحت پیش کردہ بیان عمر صدیق کی تقریر کے خاتمہ میں ہے کہ ھلاک امتی اور یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ کی وہ دعا تھی میں وہ ساٹھ سے پہلے موت طلب کرتے ہیں نیز ستر کی دہائی کے سر سے پناہ مانگنے والی روایت ان تینوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ ان تینوں روایتوں کا مصداق یزید بن معاویہ ہے اور اس پر محدثین کا اتفاق ہے۔ تو ہم بھی بطور خاتمہ کلام کے یہ عرض کرتے ہیں کہ گزشتہ صفحات میں ہم نے اس پر تفصیل پیش کی ہے اس پر ایک نظر ڈال لیں کہ آیا اس پر محدثین متفق ہیں بھی یا یہ عمر صدیق کی خام خیالی ہے۔

تقریر میں کوئی ترتیب نہیں

اس کے بعد عمر صدیق نے حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ''وارسل الجیوش الی الحسین فقتل ۔اس نے لشکروں کو بھیجا حسین کی طرف اور حسین کو قتل کر دیا گیا۔ دوسری بات ثم خرج اہل المدینۃ علی یزید اہل مدینہ نے یزید کی بیعت کو توڑ دیا۔ ترسٹھویں سال میں مسلم بن عقبہ جسے مجرم بن عقبہ کہتے ہیں۔اسے حکم دیا گیا کہ مدینہ تیرے لئے تین دن تک حلال ہے اور ان سے بیعت لے اس بات پر کہ یہ صحابہ، تابعین، ہمارے غلام ہیں ۔ ہمارے بندی ہیں اور پھر وقتل بہا من الصحابۃ وابنا ئھم وخیار التابعین ۔اس نے بے شمار صحابہ کو قتل کیا اور تابعین کو بھی قتل کیا اور بڑے بڑے گندے کام اس بندے نے کئے ہیں''

متاخرین شارحین کتب احادیث اکثر حوالہ جات دئے بغیر یوں ہی تاریخ نویسی کر جاتے ہیں تو حافظ ابن حجر نے یہ عبارت پیش کی تو اس کو بے حوالہ و بے سند نقل کر دیا جس سے اس کی تاریخیت اور واقعیت صدفی صد متاثر ہوئی ۔اب ہم نقد کس چیز پر کریں۔اور یہ جو ابن حجر نے کہا کہ اور لشکر بھیجے اور حسین کو قتل کیا گیا یہ محض خرافات ہے۔حقیقت یہ ہے کہ کسی نے بھی حضرت یزید کے دامن پر خون حسین کے دھبے نہیں دکھائے سوائے شیعہ کے ۔امام ابو بکر ابن العربی نے اپنی العواصم من القواصم میں' علامہ محبّ الدین خطیب نے اپنی مولفات میں اور تراجم میں امام غزالی نے اپنی کتب میں نیز عصر حاضر میں شیخ صلاح الدین یوسف نے درجنوں حوالہ جات کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ حضرت یزید نے قتل حسین کا نہ حکم دیا اور نہ اس سے خوش ہوئے۔اسی کتاب میں خود عمر صدیق نے بخاری کے حوالوں کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ام سلمہؓ کی روایات سے یہ ثابت کیا کہ قاتلان حسین کوفی (عراقی) ہیں شامی و یزیدی ہرگز نہیں عمر۔ر صدیق نے تقریر کے شروع میں بار بار کوفیوں اور عراقیوں کو قاتلان حسین میں شمار کروانے کے باوجود قتل حسین کو حضرت یزید کی گردن پر ڈالنے کی بات کی۔اس تضاد بیانی پر جتنی بھی حیرت کی جائے کم ہے۔ پھر اس کے بعد اس اقتباس میں واقعہ حرّہ کی طرف اشارہ کیا جبکہ اس سے قبل اشارہ کر چکے ہیں بار بار بڑی بے ترتیبی سے تاریخ دہراتے ہیں کہ سننے میں اکتاہٹ ہوتی ہے۔

حرّہ کے واقعات بے سند اور شیعی روایات ھیں

عمر صدیق نے ابن حجر کے حوالے سے مدینہ کو تین دن کیلئے مباح قرار دینے کی روایت بیان کی لیکن حوالہ جات بیان نہ کئے اور بے سند روایات تار عنکوت (مکڑی کے جالے) کی طرح ہوتی ہیں یا پھر ریت کی دیوار کی طرح۔عمر صدیق کے استاذ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ بے سند اقوال سے استدلال غلط ہے۔پس ہر شخص جو سنت (ماننے) کا مدعی ہے یہ ضروری ہے کہ وہ جو کہتا ہے اس کے بارے میں اس سے صحیح سند کا مطالبہ کیا جائے پھر اگر وہ پیش کردے تو اس کی صداقت معلوم ہو جاتی ہے (رسالہ الجزی الی اہل الزبید فی الرد علی من انکرالحرف و الصوت ص م ۱۴۶) پھر آگے فرماتے ہیں کہ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ۱) ہر روایت اور ہر حوالے کیلئے مقبول سند پیش کرنا چاہیئے ۲) بے سند روایت اور بے سند حوالہ مردود ہوتا ہے تحقیقی مقالات ج ۳،ص ۲۱۵)

شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ''یہ بات غلط ہے کہ یزید نے تمام اشراف مدینہ کو قتل کردیا تھا۔مقتولوں کی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے یہ بھی درست نہیں۔اس بات میں بھی صداقت کا کوئی عنصر شامل نہیں کہ خون مسجد بنوی تک پہنچ گیا تھا۔خوں ریزی شہر کے باہر ہوئی تھی مسجد میں نہیں۔مگر اس کا کیا علاج کہ شیعہ دروغ گوئی کے عادی ہین اور اگر کوئی بات سچی ہو تو اس میں بھی جھوٹ کی ملاوٹ کر لیتے ہیں (منہاج السنہ ص ۴۴۵)

کیا مدینہ کو تین دن کے لئے حلال کر دیا گیا؟

قارئین غور وفکر سے کام لیں تو یہ محسوس کریں گے کہ جس طرح مولانا ابوالاعلی مودودی نے بنوامیہ کی دشمنی کا چشمہ لگا کر تاریخ نگاری کی ویسے ہی عمر صدیق اور ان کے اعوان وانصار بھی اسی قبیل کے ہیں یہ لوگ اہلحدیث ہو کر بھی شیعی فکر ونظر کے حامل ہیں۔بالکل نواب وحید الزماں کی طرح کہ آخر تک موصوف ٹھیک نہ ہوئے اور حنفیت وشیعیت کی بیماری یہاں وہاں سے نکل نکل کر ان کو پریشان کرتی تھی حتی کہ اہلحدیث نے صاف کہہ دیا کہ نواب وحید الزماں کے ان خیالات کا اہلحدیث سے کوئی تعلق نہیں۔اوران کے قول کو اہلحدیث کے خلاف حجت ماننے سے انکار کردیا۔ایسے ہی حال شیخ زبیر علی زئی،مولانا عمر صدیق،مرزا انجینیر اور ابوزید ضمیر کا بھی ہے۔

عمر صدیق نے مسلم بن عقبہؒ کو مجرم بن عقبہ سے مخاطب کیا انکو یہ خبر نہیں کہ مسلم بن عقبہ خود صحابی رسول ہیں ، یہ صحابہ کا وہ طبقہ ہے جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روئیت حاصل تھی لیکن عہد رسول میں بہت ہی چھوٹے تھے۔اس وقت ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔ یہ ایک کبیر السن (بڑی عمر کے) صحابی تھے اور اس زمانے میں بیمار بھی تھے۔کون یقین کرسکتا ہے کہ پیرانہ سالی،ضعف اور بیماری کے عالم میں ۹۳ سال کا ایک بوڑھا صحابی رسول اور امیر لشکر اہل مدینہ کو قتل کرنے کا اتنا سفاکانہ اور وحشیانہ حکم دے سکتا ہے دوسری بات یہ کہ مدینہ صحابہ اور تابعین کا شہر تھا۔ یہ شہر رسول بھی تھا اور یہ خود بھی صحابی رسول ۔ پھر آپ نے محاصرے کے وقت اہل مدینہ کو مخاطب کر کے فرمایا اے اہل مدینہ امیر المومنین یزید سمجھتے ہیں کہ تم لوگ اصل ہو۔تمہارا خون بہانا انہیں گوارا نہیں۔تمہارے لئے تین دن کی مدت مقرر کرتا ہوں۔ جو کوئی تم میں سے باز آجائیگا اور حق کی طرف رجوع کرلے گا،اسکا عذر قبول کرلیا جائے گا اور ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔اور اس ملحد (دین میں نئ بات پیدا کرنے والا) کی طرف متوجہ ہوں گے جو مکہ میں ہے۔اور اگر تم نہ مانے تو سمجھ لو ہم حجت تمام کر چکے۔

تین دن گذرنے کے بعد دوبارہ اہل مدینہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے اہل مدینہ !اب تین دن ہو چکے۔کہو اب کیا منظور ہے؟ ملاپ کرنا چاہتے ہو یا جنگ کرنا چاہتے ہو۔اہل مدینہ نے جواب دیا کہ وہ لڑنا چاہتے ہیں۔اس پر مسلم بن عقبہؓ نے پھر ان سے کہا دیکھو ایسا ہرگز نہ کرو بلکہ سب اطاعت گذاری اختیار کرو پھر ہم اور تم مل کر اس ملحد پر اپنا زور ڈالیں گے جس نے فاسقوں کو چہار جانب سے اپنے پاس جمع کر رکھا ہے۔فاسقوں اور بے دینوں سے مراد وہ دنیاداری ہے جس کے نتیجے میں یہ لوگ سیاسی غلطی کررہے تھے ۔آخر کار باغی راہ راست پر نہ آئے۔تین طرف ان لوگوں نے خندقیں کھود رکھی تھیں اور پتھروں کے ڈھیر ان کے پاس جمع تھے۔صلح کی باتوں کا جواب پتھروں سے دیا اور جب مسلم بن عقبہ نے آخری بات کہی کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔لیکن ان لوگوں نے گالیاں دیں اور حضرت یزید کو بھی نہ چھوڑا انکو بھی گالیاں دیں۔آخر کار مجبوراً فوجی دستے کو جوابی کارروائی کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔تھوڑی دیر لڑائی ہوتی رہی۔ باغیوں کا سرغنہ عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ مارے گئے۔انصاریوں کے مقتدر بنو حارثہ (بنو عبدالاشھل) نے سرکاری فوج کو اپنے محلے سے داخل ہونے کیلئے راستہ دے دیا (الامامہ والسیاسہ) یہ دیکھ کر بغاوت کے بڑے سرغنہ عبداللہ بن مطیع ایسے بھاگے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس ہی جا کر دم لیا۔مودودی کی ماڈل تاریخ طبری میں بھی یہ ذکر ہے کہ ابھی لڑائی ہورہی تھی کہ ناف شہر سے تکبیر کی آوازیں آنے لگیں۔ ہوا یہ

کہ بنی حارثہ نے باغیوں کے مقابلے میں اہل شام (لشکر حضرت یزید) کو شہر میں دخول کا راستہ دے دیا۔جبکہ مودودی، ابوزید ضمیر اور عمر صدیق یہ باور کراتے ہیں کہ اہل مدینہ پر اہل شام نے ظلم کیا، حملہ کیا اور یہ کہ یزید ظالم، فاسق و فاجر تھا جبکہ اگر یہ صحیح ہوتا تو انصار نے کیوں لشکر یزید کو بلوائیوں کے مقابلے میں راستہ دیا ۔اہل مدینہ جانتے تھے کہ بغاوت کرنے والے مدینہ کے سب لوگ نہیں کچھ فسادی لوگ ہیں۔۔اور مدینہ کے اشراف ہاشمی، علوی اور اہل بیت انصار سب کے سب ان فسادیوں کے خلاف تھے اور لشکر شام کے ساتھ تھے۔

پھر تین چار گھنٹے میں بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔پانچ چھ سرغنہ قتل ہوئے۔رہے وہ واقعات جو مدینہ کی آبادیوں پر لشکر شام کا ظلم و قہر دکھاتے ہیں تو یہ سب وضعی اور مکذوبہ شیعی روایات ہیں جس کو طبری میں ابومخنف اور کلبی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔اور طبری نے بھی روایات کو خوب مشتھر کیا کہ ہزاروں لوگ قتل ہوئے۔تین دن تک مدینہ کو بے دریغ لوٹا گیا۔بعدہ عورتوں کی عصمت دری کے افسانے مشہور کیئے گئے۔

مقتولین کی تعداد کی وضعی داستان

مولانا محمود احمد عباسی نے اس سے قبل کی حرّہ کی تفصیلات کی طرح اس سلسلے میں بھی اپنی نادر تحقیقات پیش فرمائی ہیں۔تلخیص پیش خدمت ہے عمر صدیق نے کہا کہ مسلم بن عقبہ کے لشکر نے بے شمار صحابہ و تابعین کو قتل کیا۔شیخ ابن تیمیہ بھی ان روایات سے مرعوب ہوئے اور بہت سے مظالم کا انکار کرنے کے باوجود بہر حال کچھ کو تو مان ہی بیٹھے۔مودودی نے باشندگان شہر کے قتل عام کے ثبوت کو نقل کیا ہے اس کا تو راوی ہی مجہول الاسم ہے یعنی اس کا تو نام ہی نہیں معلوم اور یہ خود امام زہری کا کوئی چشم دید بیان تو ہے نہیں گویا کہ باعتبار سند یہ روایت ہیچ محض ہے۔پھر ان راویوں کے صدق و کذب کا اور ان سے نقل کرنے والوں کی عقل و فہم کا اندازہ لگانے کیلئے یہی کافی ہے کہ ان مورخین کے مطابق بارہ ہزار اور مسعودی کے مطابق چار ہزار سپاہیوں نے دس ہزار عوام اور سات سو معززین کو اور الامامہ والسیاسہ کے بیان سے دو ہزار سات سو معززین اور دس ہزار عوام کو تو قتل کر دیا لیکن فوجیوں میں سے کسی ایک کے خراش تک نہ آئی گویا کہ یہ سب گیارہ بارہ ہزار باشندگان مدینہ ایسے نامرد تھے کہ گاجر

مولی کی طرح کٹتے چلے گئے اور الامامہ والسیاسہ کے مولف نے جو رپورٹ امیر لشکر کی درج کی ہے اس میں صراحتاً تحریر ہے کہ فوجی دستے کے کسی سپاہی کو باغیوں کے مقابلے میں کوئی ضرب نہ آئی۔ جناب مودودی نے بھی یہ تعدادیں نقل کی ہیں گویا کہ مدینہ کے باشندگان بالکل بزدل، بے غیرت تھے جبکہ یہ سب اُن ہی کے بھائی بند تو تھے کوئی غیر نہ تھے جنھوں نے اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے یورپ، ایشیا اور افریقہ تینوں براعظموں کو روند ڈالا تھا۔

مورخ بلاذری نے اشراف مدینہ کے بارے میں خاص باب باندھا ہے اور قال ابومخنف کہہ کر اس رافضی کذاب راوی کی روایت تو وہی درج کی ہے مگر فہرست مقتولین میں نام صرف چھ اشخاص کے بتائے ہیں۔ علامہ سیوطی نے ایک جگہ تو یہ لکھا ہے کہ واقعہ حرّہ میں صحابہ اور دوسرے لوگ بتعداد کثیر قتل ہوئے (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۵) مگر دوسرے ہی صفحہ پر یہ بھی نقل کیا کہ حرّہ میں قریش وانصار کے مقتولین کی تعداد تین سو چھ تھی۔ تعداد مقتولین کے بارے میں متضاد بیانات ہی اس امر کی دلیل ہیں کہ راویوں نے اپنے اپنے رجحانات کے مطابق تعداد قرار دے لی ہے۔ حقیقت خلافت وملوکیت ص ۲۸۴۔۲۸۳ از محمود عباسی) بہرحال یہ سب ان ہی شیعی خرافات کی کارستانی ہے اور ہمارے علمائے متاخرین اس سے یقیناً متاثر ہوئے لہٰذا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے کہ حضرت یزید نے حملے کا حکم دیا تھا نیز قتل وخون کے لئے ہمت افزائی کی تھی اور تین دن کے لئے مدینہ کو حلال کر دیا تھا۔

کیا عمر بن عبدالعزیز یزید کو امیر المومنین نہ مانتے تھے؟

اس کے بعد عمر صدیق نے حافظ ابن حجر کے حوالے سے ایک روایت پیش کی جس میں ہے کہ کسی نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے حضرت یزید کو امیر المومنین کہہ دیا تو تادیباً اس کو ۲۰ کوڑے لگوائے۔ عمر صدیق کہتے ہیں ''حضرات اسی پر بس نہیں۔ حافظ ابن حجر روایت لے کر آئے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز جو بڑے نیک خلیفہ تھے۔ کبھی چڑیا تو کیا چیونٹی بھی نہ ماری۔ ایک بندہ آیا کہتا ہے۔ امیر المونین یزید۔ بولے ارے تو نے یزید کو امیر المومنین کہا ہے! بولا ہاں کہا ہے۔ بولے اس کو بیس کوڑے لگاؤ۔ تہذیب میں یہ موجود ہے ص ۲۲۸ میں۔ اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے بولے ڈاکو ہے ڈاکو۔ لوٹا ہے مدینے کو۔ مدینہ پر ظلم کئے''

جواب ۔عمر صدیق کی طرح ابوزید ضمیر نے بھی یہ روایت پیش کی تھی۔ وہاں جو نقد ہم نے کیا وہ اس مقام پر بھی پیش کرتے ہوئے بعد میں مزید اضافہ کریں گے اور کچھ نئی معلومات فراہم کریں گے۔ کسی کے یزید کے لئے لفظ امیر المومنین بولنے کی پاداش میں ۲۰ کوڑے کی سزا کی یہ روایت لسان المیزان اور تہذیب التہذیب دونوں میں موجود ہے یعنی ابن حجر اور حافظ ذھبی دونوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔

لیکن عرض ہے کہ تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانیؒ نے امیر موصوف (یزید) کا ذکر رواۃ حدیث میں کرتے ہوئے محدّث یحیٰی بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی کا جن کو وہ احد الثقات یعنی ثقہ (معتبر) راویوں میں شمار کرتے ہیں، یہ قول اپنے ہی طرح کے ایک اور ثقہ راوی نوفل بن عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ جرم شرعی نہیں، ایک شخص کے ۲۰ کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزید کا ذکر اس نے امیر المومنین کہہ کر کیا تھا لیکن ان مجہول الحال راویوں کی روایت کا اندازہ خلیفہ موصوف حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عمل سے ہوجاتا ہے، جو ان ہی ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی دوسری تالیف لسان المیزان میں نقل کیا ہے یعنی ابن شوزبؒ نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد سے یہ بات سنی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہ پر رحمہ اللہ کہتے سنا ہے (لسان المیزان ج۶ ص۲۹۴)

یہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن شوزب الخراسانیؒ المتوفی ۱۵۶ھ؁ جو عام طور پر ابن شوزب کہلاتے تھے بڑے پائے کے ثقہ راوی ہیں۔ بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ اس روایت میں جس میں حضرت یزید کی تنقیص وتوھین ہے، چند علتیں پائی جارہی ہیں۔ ہم ان کو افادۂ عامہ کے پیش نظر بیان کرتے ہیں۔ اس روایت کی مکمل سند نامعلوم ہے اس لئے کہ امام ذھبی نے اس روایت کو محمد بن ابی السری سے روایت کیا ہے اور ان کی پیدائش ۲۳۸ھ؁ ہے (الثقات لابن حبان ۸۸۱۹) جبکہ امام ذھبیؒ کی پیدائش ۶۷۳ھ؁ ہے یعنی حافظ ذھبی اور ابن السری کے درمیان ساڑھے چار صدی کا فاصلہ ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس پر کوئی ثبوت موجود نہیں کہ حافظ ذھبی نے اس روایت کو محمد بن ابی السری کی کتاب سے نقل کیا کیونکہ ان کی کوئی کتاب ہے ہی نہیں۔ نہ حافظ ذھبی نے ابن ابی السری کے ترجمہ میں ان کی کسی کتاب کا تذکرہ کیا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اس روایت کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کیا تو ابن ابی السری کا نام بھی ساقط کردیا اور اسی روایت کو سیوطی نے

نےنقل کیا تو پوری سند ہی غائب کردی (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۸) اس سے یہ ثابت ہوا کہ اہل علم میں سے کسی نے بھی اس روایت کی مکمل سند بیان نہ کی لہٰذا اس روایت کے غیر ثابت شدہ ہونے کی یہ پہلی علت ہے۔

دوسری علت یہ کہ حافظ ذھبیؒ نے روایت کو جس

راوی کے حوالے سے بیان کیا اس کے بارے میں ناقدین رواۃ کے مختلف اقوال ہیں اور راجح یہ ہے کہ یہ راوی ضعیف ہے۔امام ابن معین،امام حاکم ،امام ابن القطان اور حافظ ذھبی یہ چار ائمہ فن ہین جنہوں نے ابن ابی السری کی تعدیل کی ہے لیکن جارحین بہت ہیں ان کے اسما یہ ہیں' امام ابوحاتم رازی،امام ابن عدیؒ،امام ابوعلی الغسانیؒ ،امام ابن القیسر انیؒ ،امام ابن الجوزیؒ ،امام ذھبیؒ۔حافظ ذھبی نے اس راوی کیلئے وثق استعمال کیا تو علامہ البانی نے حافظ ذھبی کی وثق کی حقیقت یوں بیان فرمائی کہ جب ذھبی وثق کہیں تو اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اس راوی کی جو توثیق کی گئی ہے وہ معتبر نہیں ہے۔حافظ ابن حجر نے بھی راوی پر حرج کی ہے۔یوں ہی امام مناویؒ نے بھی تضعیف کی ہے۔نیز علامہ البانی نے بھی اس راوی کو ضعیف بلکہ سخت ضعیف قرار دیا ہے بلکہ اس کو متھم بھی قرار دیا ہے۔

تیسری علت یہ ہے کہ نوفل بن ابی الفرات مجہول راوی ہے اور کسی بھی

امام سے اس کی توثیق ثابت نہیں اس کو مامون تو کہا گیا لیکن توثیق نہ کی گئی۔امام ابن عساکرؒ المتوفی ۵۷۱ھ ء نے فرمایا کہ یہ عمر بن عبدالعزیز کے عامل تھے (تاریخ دمشق لا بن عساکر ۲۹۲/۶۲ھ واسنادہ صحیح) لیکن عامل ہونا ثقاھت کی دلیل نہیں۔غور کیا جائے کہ نوفل بن الفرات عمر بن عبدالعزیزؒ کے عامل تھے اور مالک الدار خلیفہ دوم عمر فاروقؓ کے خازن تھے ان کو بھی ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور ان کے وسیلہ کے بارے میں ایک بہت ہی منکر روایت مروی ہے لیکن اہل علم نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور مالک الدار کو مجہول قرار دیا ہے۔ایسے ہی نوفل بھی مجہول ہیں لہٰذا عمر صدیق ان باتوں پر غور مائیں اور آئندہ اس روایت کو پیش کرنا بند کریں۔اس روایت کی تفصیلات اور بھی تھیں لیکن ہم نے بخوف طوالت ان کو قلم انداز کیا۔

کیا یزید بدتمیز منہ پھٹ اور ناصبی تھے؟

اس کے بعد عمر صدیق نے حافظ ذھبی کی سیر اعلام النبلاء، سے ایک عبارت پیش کی کہ یزید منہ پھٹ، بدتمیز اور گستاخ ناصبی تھا۔ حضرت علی کی توھین کرنے والا تھا۔ یتناول المسکر و یفعل المنکر نشہ باز تھا اور کبیرہ گناہ بھی کیا کرتا تھا۔ پھر کہا کہ حافظ ذھبی کا یہ اپنا موقف ہے"

جواب۔ عمر صدیق کا یہ سراسر بہتان ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ معتبر اور مستند تواریخ میں حضرت یزید کی تصویر کچھ اور ہی ہے لیکن شیعی فکر و نظر کے متاخرین نے تساہل و تغافل کے نتیجے میں ان نظریات کو اختیار کیا لیکن اگر تدبر و تعقل سے کام لیا جائے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ متقدمین حضرت یزید کے تعلق سے مثبت فکر کے حاملین میں سے ہیں۔ حافظ ذھبی نے ان بری خصلتوں سے متعلق دلیل یا روایت نقل نہ کی فقط مجرد الزام جڑ دیا جو نا قابل التفات ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں بڑی صراحت کے ساتھ حضرت یزید کو ان خصلتوں سے بری قرار دیا ہے۔ یوں ہی ابن تیمیہ نے بھی مجموع الفتاوی اور اپنی مایہ ناز تالیف منہاج السنہ میں اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ شیعی یزید دشمنی میں الزام لگانے کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے۔ ہماری کتاب ضرب شدید بر مذمت یزید میں اس پر مدلل گفتگو ہو چکی ہے۔ اور حرّہ کے موقع پر عبداللہ بن مطیع جب محمد بن حنفیہ کو یزید کے خلاف آمادہ کر رہے تھے تو یہی شراب نوشی اور نماز چھوڑنے کے الزامات عائد کئے تو محمد بن حنفیہ نے مناظرانہ انداز میں ان الزامات کا رد بلیغ فرمایا اور خلافت حضرت یزید کو مدلل کیا حتی کہ گروہ عبداللہ بن مطیع بے نیل و مرام واپس لوٹا۔ یہ سب البدایہ والنہایہ میں ہے۔

امام ابوبکر ابن العربی المتوفی ۵۴۳ھ فرماتے ہیں "اگر یہ کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہتے ہیں کہ بغیر دو گواہ کے یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی تو کس نے اس بات کی گواہی دی؟ بلکہ عادل لوگوں نے تو یزید کے عدل کی گواہی دی ہے چنانچہ یحییٰ بن بکیر نے روایت کیا کہ امام لیث بن سعدؒ نے کہا: امیر المومنین یزید فلاں تاریخ میں فوت ہوئے تو یہاں پر امام لیث بن سعدؒ نے یزید کو امیر المومنین کہا ہے، ان کی حکومت اور ان کا دور ختم ہونے کے بعد اگر ان کے نزدیک یزید اس درجہ قابل احترام نہ ہوتے تو یوں کہتے کہ یزید

فوت ہوا امام ابوبکر ابن العربیؒ کی صراحت سے یہ معلوم ہوا کہ یزیدؒ پر شرابی، زانی وغیرہ ہونے کے سارے الزامات مردود اور باطل ہیں اور بے بنیاد الزام تراشی کرنے والا جھوٹا ہوتا ہے۔

عمر صدیق ذہن نشین رکھیں کہ ان کے استاذ حافظ زبیر علی زئیؒ

،جن کی تحقیق عمر صدیق نے لشکر غزوۂ قسطنطنیہ کے حوالے سے پیش کی ہے' نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ یزید کا شرابی اور تارک صلوٰۃ (نماز ترک کرنے والا) ہونا ثابت نہیں ماہنامہ الحدیث، شمارہ ۱۰۷ ص ۱۵) یوں ہی ہندوستان او ر پاسکتان کے تمام علماء اہلحدیث ہر سال محرم کے مہینے میں حضرت یزیدؒ کا دفاع کرتے ہوئے اور عمر صدیق کی اس پوری تقریر کا رد کرتے ہوئے اہلحدیث علماء کا منہج پیش کرتے ہیں۔ عمر صدیق کی پوری تقریر بریلویوں اور شیعوں سے میل کھاتی ہے۔ متاخرین کے جن دلائل سے عمر صدیق استنباط واستخراج کرتے ہیں وہ منفی سوچ کا نتیجہ ہے ورنہ منفی ومثبت مباحث میں محاکمہ اور صحیح سمت میں مطالعہ اس مشکوک ومخدوش فکر ونظر کا خاتمہ کرکے ہم کو صراط مستقیم سے بہرہ ور کرسکتا ہے لیکن شیطان اس قماش کے لوگوں پر حاوی ہوتا ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک یزید نیک و صالح ہیں

عمر صدیق نے اپنی اس تقریر میں حضرت یزید کی مذمت میں امیر موصوف

کو منہ پھٹ، بدتمیز' نشہ باز اور ناصبی کہا جب کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حضرت یزیدؒ کیلئے جذبہ احترام ملاخطہ فرمائیں۔ امام احمد بن یحیٰی البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ اپنے استاذ امام مدائنی المتوفی ۲۱۵ھ سے نقل کرتے ہیں کہ ''عامر بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم مکہ میں تھے کہ امیر معاویہؓ کی وفات کی خبر دینے والا ہمارے پاس سے گذرا تو ہم عبداللہ بن عباسؓ کے پاس پہنچے وہ بھی مکہ میں تھے۔ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور دستر خوان لگایا جاچکا تھا لیکن ابھی کھانا نہیں آیا تھا۔ تو ہم نے ان سے کہا ''اے ابوالعباس! ایک قاصد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر لایا ہے یہ سن کر عبداللہ بن عباسؓ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا ''اے اللہ! معاویہؓ پر اپنی رحمت وسیع فرما۔ یقیناً آپ ان لوگوں کے مثل تو نہ تھے جو

تو نہ تھے جو آپ سے پہلے گزر چکے لیکن آپ کے بعد بھی آپ جیسا کوئی دیکھنے کو نہ ملے گا۔اور آپ کے صاحبزادے (بیٹے) یزید بن معاویہ آپ کے خاندان کے نیک و صالح شخص ہیں اس لئے اے لوگو! اپنی اپنی جگہوں پر رہو اور ان کی مکمل اطاعت کر کے ان کی بیعت کرلو۔(اس کے بعد غلام سے کہا) اے غلام کھانا لے کر آؤ۔عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اسی حالت میں تھے کہ خالد بن العاص المخزومیؓ کا قاصد آیا وہ اس وقت مکہ کے عامل تھے اُس نے عبداللہ بن عباسؓ کو بیعت کیلئے بلایا۔عبداللہ بن عباسؓ نے کہا۔اس سے کہ دو کہ پہلے دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنا کام ختم کرلے اور شام ہوگی تو ہم اس کے پاس آجائیں گے۔یہ سن کر قاصد لوٹ گیا۔اس کے بعد عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا۔ان کے پاس حاضر ہونا لازمی ہے۔پھر آپ گئے اور (یزید کی) بیعت کرلی (انساب الاشراف للبلاذری ۲۹۰/۵ واسنادہ حسن لزاتہ) اس روایت کی سند کم از کم حسن لذاتہ ہے۔

امام ابن حبانؒ المتوفی ۲۴۵ نے راوی حضرت عام بن مسعود بن اُمیہ بن خلف بن وھب القریشی الجمحیؓ کی توثیق کی ہے۔ان سے کئی ثقات نے روایت کی ہے۔علامہ البانی کا اصول ہے کہ جسے ابن حبان ثقہ کہہ دیں اور متعدد ثقات ان سے روایت لے لیں تو وہ ثقہ ہوتا ہے۔امام ابن ہیثمیؒ المتوفی ۸۰۷ھ نے بھی ان کو ثقہ کہا۔امام ابن خزیمہؒ المتوفی ۳۱۱ھ نے آپ کی حدیث کو صحیح کہا۔حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ ابن خزیمہ نے ان کی حدیث کو صحیح کہا۔اس اعتبار سے ان کے نزدیک بھی راوی ثقہ ہیں۔امام ضیاء المقدسیؒ المتوفی ۶۴۳ھ نے ان سے روایت کی۔

مورخ بلاذری کی مندرجہ روایت کو الامامہ والسیاسہ کے غالی مولف نے بھی الفاظ کے تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس میں بھی اس غالی شیعہ مورخ نے ماقبل کی روایت کی طرح یزید کو نیک اور صالح قرار دیا ہے۔تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ اپنے اعوان و انصار کے ساتھ سالہا سال تک بلاناغہ دمشق جاتے اور امیر معاویہؓ کے پاس مہینوں مقیم رہتے۔اسی بنا پر صحابی موصوف کردار یزید سے بخوبی واقف تھے اور تجربہ و مشاہدے سے یزید کو نیک اور صالح قرار دیا اور دوسروں کو بھی بیعت یزید میں شامل ہونے کی ترغیب دلائی۔یوں ہی محمد بن حنفیہؒ نے امیر یزیدؒ کو نیکوکاری، صوم و صلوۃ کی پابندی اور سنت نبوی کی پیروی کرنے والا قرار دیا جو پیچھے گزر چکا ہے۔

حضرت یزیدؒ کا لقب الخطیب الاشدق تھا

عمر صدیق یزید بن معاویہؓ کو بدتمیز اور گستاخ کہتے ہیں جبکہ تاریخ کچھ اور کہتی ہے۔ یزید خطبائے قریش میں امتیازی شان کے حامل تھے اور اسی خصوصیت کی بنا پر آپ کا لقب الخطیب الاشدق پڑ گیا تھا۔ یعنی برجستہ اور پرزور تقریر کرنے والا۔ کسی نے حضرت سعید بن المسیب سے پوچھا کہ ابلغ الناس (لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ) کون ہے؟ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سائل نے کہا کہ سوال یہ نہ تھا۔ یہ بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قریش میں بڑا خطیب کون ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ معاویہ اور ان کے فرزند یزید۔ ساتھ ہی دو نام اور بھی لئے (البیان والتبیین للجاحظ ص۲۰۶) ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے لکھا ہے کہ یزید بن معاویہ خطیب اور شاعر تھا زبان اعرابی اور لہجہ بدوی تھا جلد۲۔ ص۸۲۴۔۸۲۵)

جب ۴۹ ھجری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ امیر المومنین معاویہؓ کے پاس دمشق میں مقیم تھے کہ حضرت حسن بن علیؓ کی وفات کی خبر پہنچی۔ حضرت معاویہؓ نے اس سانحہ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے خود بھی تعزیت کی جس کو شیعہ راویوں نے مسخ کر کے تحریر کیا ہے۔ پھر امیر یزیدؒ بھی تعزیت کیلئے آئے اور ایسے بلیغ اور جامع انداز میں تعزیت فرمائی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ان کی لیاقت پر تعجب ہوا۔ جب امیر یزید وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو عبداللہ بن عباس نے جو فرمایا اس کو علامہ ابن کثیر کی زبانی سماعت فرمائیں۔ ابن کثیر ناقل ہیں ''جب یزید ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا بنو حرب (یزید کے پردادا کا نام حرب تھا) اٹھ گئے تو علماء الناس یعنی لوگوں کے عالم اٹھ جائیں گے۔

یزید بن معاویہ کے خصائل محمودہ

عمر صدیق امیر المومنین کو بدتمیز ناصبی اور منہ پھٹ قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں جبکہ سارے صحابہ، تابعین، تبع تابعین وامھات المومنین انکو امیر مانے ہوئے ہیں۔ تقریباً پورے چار سال تک ان کی حکومت میں تعاون کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ امور سیاست میں معاونت کرتے ہیں۔ یہ عمل خیر القرون کے لوگوں کا حضرت یزید کے ساتھ تھا جبکہ متاخرین نے شیعی تاریخ کے زیر اثر متقدمین سے بالکل ہٹ کر ایک نئی زبان کا استعمال کیا ہے۔ علم وفضل

’ تقوی و پرہیزگاری، پابندی صوم وصلوۃ کے ساتھ یزید بن معاویہؓ حد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ اور متین تھے۔ایک عیسائی رومی مورخ نے حضرت یزید کی سیرت کے بارے میں فرمایا’’وہ (یزید) حد درجہ حلیم و کریم، سنجیدہ ومتین، غروراور خود بینی سے مبراء، اپنی زبردست رعایہ کے محسوب، تزک واحتشام شاہی سے متنفر تھے۔عام شہریوں کی طرح سادہ معاشرت سے زندگی بسر کرتے تھے اور مہذب تھے (انسائکلو پیڈیا آف اسلام ص۱۱۶۳) اور علامہ بن کثیر نے اس قسم کے الفاظ اپنی تاریخ میں نقل کئے ہیں۔فرماتے ہیں’’اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم وکرم، فصاحت وشعرگوئی اور بہادری کی تھیں۔نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور خوب صورت اور خوش سیرت تھے (البدایہ والنہایہ ص ۲۲۰ جلد ۸۔تاریخ اسلام ذھبی ص ۹۳ جلد۳) ابن ابی الحدید، شیعی مولف الامامہ والسیاسۃ ایک غالی وشیعی مورخ اور ایک عیسائی مورخ تو حضرت یزید کے خصائل وفضائل بیان کریں اور عمر صدیق گھر کے آدمی ہو کر لنکا ڈھائیں۔

یزید بن معاویہ کی ناصبیت

عمر صدیق نے یزیدؒ کو ناصبی قرار دیا بحوالہ سیر اعلام النبلا للذھبی اور کہا کہ وہ حضرت علی کی توہین کرتا تھا۔کاش عمر صدیق نے حافظ ذھبی کے حوالے کے دلائل بھی ذھبی سے نقل کئے ہوتے۔یہ تو بے دلیل بات ہوئی اس لئے نا قابل اعتبار ہے۔حضرت یزید کے بنو ہاشم اور اہل بیت سے جو تعلقات تھے اور رشتہ داریاں کربلا سے پہلے اور بعد کی تھیں، اس پر پیچھے باقاعدہ ایک سرخی کے تحت ہم جمع کر چکے ہیں وہاں رجوع کریں۔دوسرے اگر یزیدؒ ناصبی یعنی دشمن اہل بیت ہوتے تو حضرت حسینؓ کو پہلے دن ہی قید کر دیتے جب آپ نے بیعت میں تاخیر کی اور ٹالنے کا عمل جاری رکھا۔حضرت حسین کی متعدد سرگرمیوں سے یزید باخبر تھے۔پھر بھی حضرت حسینؓ کی خاندان رسالت سے نسبت کی بنا پر کوئی تعرض نہ کیا بلکہ فراخدلی سے یزید معاف کرتے رہے۔پھر حرّہ کے موقع پر بھی اہل بیت اور بنو ہاشم میں سے کوئی بھی حضرت یزید کی بیعت سے برگشتہ نہ ہوا۔اہل بیت میں کوئی بھی باغیوں کے ساتھ مل کر لڑنے میں شامل نہ ہوا۔حالانکہ یزید سے انتقام لینے کا یہ شاندار موقع تھا۔مستند حوالوں سے ثابت ہے کہ حضرت یزید نے مسلم بن عقبہ کو ہدایت دی تھی کہ زین العابدین کے علومرتبت کا لحاظ کیا جائے۔محمد بن حنفیہ جو حضرت علی کے فرزند

ہیں نے حضرت یزید کا دفاع کیا۔آل جعفر،آل علی و آل ابی بکر میں سے کوئی حرّہ کی بغاوت میں شامل نہ ہوا۔ بلکہ طبری کے مطابق زین العابدین فرزند حسین نے لشکر حضرت یزید کے گھوڑوں کیلئے دانہ چارہ اور پانی کا انتظام کیا۔ پھر عمر صدیق کا یہ کہنا کہ یزید ناصبی تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین کیا کرتا تھا' کہاں تک مناسب ہے۔وقت نے ساتھ دیا تو ہم اس عنوان پر کچھ تحریر کریں گے ان شاء اللہ۔

حضرت یزید اور روایت حدیث

عمر صدیق نے روایت حدیث کے تناظر میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ''اس (یزید) کے بارے میں ائمہ محدثین نے قبول روایت میں جو تبصرہ کیا ہے وہ بھی لکھا ہے۔میرے پاس حافظ ابن حجر کی تقریب التہذیب ہے۔فرماتے ہیں کہ یزید اس لائق ہی نہیں کہ اس سے روایت لی جائے۔اور اسی طرح میزان میں حافظ صاحب چوتھی جلد میں فرماتے ہیں مقدوح فی العدالت لیس باھل ان یروی عنہ یعنی یہ عدالت میں مقدوح اور اس لائق نہیں کہ اس سے روایت لی جائے۔تو یہ ائمہ محدثین کے نزدیک بالکل متروک راوی ہے''

روایت حدیث اور امیر یزیدؒ

مولانا محمود احمد عباسی نے اپنی کتاب خلافت معاویہ و یزید میں

حضرت یزیدؒ کی علمی قدر و منزلت پر مختصراً ذکر کیا ہے فرماتے ہیں''امیر یزید کبار تابعین میں سے تھے۔اپنے والد محترم کے علاوہ بعض اجلہ صحابہ سے فیض صحبت اٹھایا یعنی حضرت دحیہ کلبیؓ سے جو جلیل القدر صحابی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر بھی رہے تھے۔ان کی حقیقی بہن سیدہ شراف بنت خلیفہ سے آپ نے نکاح کیا تھا اور وہ امیر یزید کے رشتے میں ماموں بھی ہوتے تھے نیز حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور محبّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ بن زیدؓ اور دیگر متعدد صحابہ کرام سے استفادہ کیا۔حضرت ابوایوب انصاریؓ اور دوسرے صحابہ اور اپنے والد صاحب سے حدیث کی روایت کی۔امیر یزید سے ان کے صاحبزادوں نیز عبد الملک بن مروانؒ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ابن کثیر فرماتے ہیں''اور ان (یزید کا) تذکرہ (محدث) ابوزرعہ دمشقی نے اس طبقہ (راویان حدیث) میں کیا ہے جو صحابہ کے بعد آتے ہیں اور یہ مقام بلند ہے۔انہوں نے کہا کہ ان کی مرویات سے احادیث ہیں۔ص ۲۲۷ جلد ۸۔البدایہ والنہایہ)

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی کا، جن کو وہ احد الثقات یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں یہ قول اپنے ہی طرح کے ایک اور ثقہ راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزید کا ذکر اس نے امیر المومنین کہہ کر کیا تھا۔ مگر ان ثقہ راویوں کی روایت کا جو سب کے سب مجہول الحال ہیں اندازہ خلیفہ موصوف ہی کے عمل اور قول سے ہو جاتا ہے جو ان ہی ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری تالیف لسان المیز ان میں نقل کیا ہے یعنی ''اور ابن شوزب نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد سے یہ بات سنی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہؓ پر رحمہ اللہ علیہ کہتے سنا ہے (لسان المیز ان جلد ۶۔ص ۲۹۴)

ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن شوزب الخراسانی متوفی ۱۵۶ھ جو عام طور پر ابن شوزب کہلاتے تھے۔ بڑے پائے کے ثقہ راوی ہیں۔ بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ ابن معین ونسائی و ابن حبان سب ہی نے ان کو ثقہ وصدوق بتایا ہے برخلاف وضعی روایت کے راویوں یحییٰ بن عبدالملک ونوفل بن عقرب کے جو مجہول الحال ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص ۵۶۹ میں ابراہیم بن میسرہ کی روایت نقل کی ہے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کو کسی انسان کو مارتے پیٹتے نہین دیکھا سوائے ایک شخص کے جس نے معاویہؓ کی بدگوئی کی تھی۔ خلیفہ موصوف نے اس کے کوڑے لگوائے تھے بات کیا تھی، کذابین نے کیا سے کیا بنا دی۔ تہذیب التہذیب میں ہی ابن حجرؒ نے امیر موصوف کے فرزند عبدالرحمٰن کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث ابن حبان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان کو فی الثقات یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ ابن حجرؒ بھی لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے اپنے والد (امیر یزید) سے روایت حدیث کی ہے بیٹا تو ثقہ اور باپ جس سے روایت لے وہ غیر ثقہ! ایں چہ بوالعجبی است)

مراسیل ابی داؤد میں ان سے روایت ہے ۔ امیر یزید سے

ان کے فرزندوں یعنی معاویہ وعبدالرحمٰن اور خالد نے بھی حدیث کی روایت کی ہے۔ محدثین نے ان تینوں فرزندان امیر یزید کو صالحین (نیکوں) میں شمار کیا ہے۔ محدث الزبیری نے عبدالرحمٰن بن یزید کے بارے میں کہا ہے کہ وہ نیک آدمی تھے (تہذیب جلد ۶ ص ۳۰۰ اسی طرح محدث ابوزرعہ ان تینوں فرزندانِ امیر یزید کے بارے میں فرماتے ہیں کانوا فی صالحی القوم یعنی یہ لوگ امت کے صالحین میں سے تھے (تہذیب التہذب)

امیر یزید نے زمانہ طالب علمی سے ہی احادیث نبوی کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔اور اس علم میں ان کو بصیرت خاص حاصل تھی۔اس زمانے کا ایک دلچسپ واقعہ مورخین نے لکھا ہے جس کو علامہ ابن کثیر نے ان الفاظ میں لکھا ہے ''اور روایت میں ہے کہ یزید سے جب ان کے والد نے کہا کہ جو بات وخواہش تمہاری ہو مجھ سے کہو۔تو یزید نے ان سے کہا کہ مجھے نار (آگ) سے بچا لیجئے۔اللہ تعالیٰ آپ کی گردن کو اس سے آزاد رکھے (معاویہؓ) نے سوال کیا کہ وہ کیونکر (یزید نے کہا) کہ میں نے احادیث میں پایا ہے کہ جس کو تین دن کے لئے بھی امت کا امر (خلافت) سونپا جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر (نار) جہنم کو حرام فرمائے گا (ص ۲۲۷ جلد ۸ البدایہ والنہایہ)

یہ حدیث بھی امیر یزیدؒ نے اپنے والد ماجد معاویہؓ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ جس کو بھلائی پہنچانا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔خود ان کو علوم دین میں یہ سمجھ اللہ نے عنایت کی تھی۔حدیث وفقہ سے واقفیت کے علاوہ اچھے قاری تھے۔الامامہ و السیاسہ کے غالی شیعی مولف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی تقریر میں امیر یزیدؒ کی علمی فضلیت و قرأت قران کا ذکر کیا تھا (الامامہ والسیاسہ جلد ا ۔ص ۱۹۸) امام شہاب الدین معروف با بن عبدربہ متوفی ۳۲۸ھ نے اپنی مشہور کتاب العقد الفرید ۴۱۵۔۳۵۶ ج ۲ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجتہ الوداع کے بعد ابو بکر صدیقؓ وعمر فاروقؓ وعلیؓ المرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے خطبات درج کئے ہیں۔ان ہی خطبات کے ساتھ امیر یزید کے چند خطبے بھی شامل کئے ہیں جو امیر المومنین کی حیثیت سے دئے تھے۔ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ امیر موصوف کو قران حفظ تھا۔خطبہ دیتے ہوئے کلام اللہ سے آیتیں ہی نہیں رکوع اور سورتیں تلاوت کرتے اور سامعین کے قلوب کو گرماتے۔اس عہد میں زر و مال کی بہتات تھی اس لئے ضروری تھا کہ امیر المومنین لوگوں کو عیش پرستی سے اجتناب پر نصیحت کریں۔صاحب العقد الفرید نے ان کے ایک خطبہ کے الفاظ نقل کئے ہیں۔بخوف طوالت ہم قلم انداز کرتے ہیں۔(خلافت معاویہؓ و یزیدؒ ۹۴۔۱۹۲ از۔محمود احمد عباسی)

یزید بن معاویہ رحمہ اللہ جرح و تعدیل کی میزان پر

عمر صدیق نے یزید رحمہ اللہ کے راوی حدیث ہونے پر نقد کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یزید مقدوح اور متروک راوی ہے اس لئے لائق اعتبار نہیں ہے۔اس پر ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ جرح وتعدیل کی میزان میں صرف ان رواۃ سے بحث ہوتی ہے جنہوں نے احادیث کی روایت میں شرکت کی ہو اور جن راویوں نے اس میں شرکت نہ کی ان لوگوں پر اس فن میں کوئی بحث ہی نہیں ہوتی چاہے وہ اچھے ہوں یا برے۔جب یہ حقیقت متحقق ہوگئی تو اس معیار پر ان راویوں کو پرکھا ہی نہیں جاسکتا۔بطور مثال یزیدؒ کے ہی معاصر (ہمزمانہ) میں ایک بڑی شخصیت اویس بن عامر القرنی کا نام ملتا ہے۔انکو سید التابعین کہا جاتا ہے پھر بھی امام موصوف نے حدیث کی روایت میں شرکت نہ کی اور ان کے حوالے سے جو روایات ملتی ہیں (تعداد صرف ۲ ہے) ان میں اویس قرنی کے نیچے کی سند نہیں ہے یعنی موصوف کا ان احادیث کو روایت کرنا ثابت ہی نہیں ہے اور اسی لئے اہل فن نے کہا ہے کہ چونکہ انہوں نے روایت بیان کرنے میں شرکت نہ کی لہٰذا ان کو جرح و تعدیل میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔چنانچہ امام ذھبی المتوفی ۷۴۸ھ نے کہا ''اویس قرنی سے جو روایت نقل کی جاتی ہے اس کا اویس قرنی سے بیان کرنا ثابت نہیں اور اگر امام بخاریؒ نے انہیں ضعفاء میں ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی سرے سے ان کا تذکرہ ہی نہ کرتا کیونکہ یہ اللہ کے سچے دوستوں میں سے تھے اور انہوں نے کچھ راویت ہی نہیں کیا لہٰذا اس پہلو سے ان کو ضعیف یا ثقہ کہنے کی کوئی بنیاد ہی نہیں (میزان الاعتدلال للذھبی)

بالکل یہی معاملہ یزید بن معاویہؒ کا بھی ہے۔اویس قرنی ہی کی طرح انہوں نے بھی احادیث کی روایت کی ہی نہیں اور ان سے جو روایات منقول ہیں (یعنی صرف دو جیسا کہ اویس کا بھی معاملہ ہے) انمیں یزید بن معاویہ سے نیچے کی سند صحیح نہیں ہے لہٰذا ان روایات کا بیان کرنا یزیدؒ سے ثابت ہی نہیں۔یعنی ذھبی کے مطابق حضرت یزید بن معاویہ کو روایات کے بیان کرنے کی حیثیت سے ثقہ یا ضعیف کہنے کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔اسی تقریر کے خاتمہ پر محدث الخلال کی السنہ کے حوالے سے عمر صدیق نے یہ نقل کیا کہ الخلال نے کہا کہ یزید نے قتل صحابہ کیا، مدینہ لوٹا۔کیا اس سے حدیث لی جائے گی؟ تو اس سلسلے میں ایک بات عرض ہے۔مثال ذیل کی سرخی کے تحت۔

جرح پر دلیل نہیں تو جرح بے اثر

کسی بھی راوی پر کی گئی جرح کو بدلیل وحوالہ ہونا چاہیئے اگر وہ ثابت نہیں تو لائق اعتبار نہیں اور جرح کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ مقدوح اور مجروح کا ہمعصر ہو یا سلسلہ سند سے بیان کرے ورنہ اسکی جرح بے اثر ہوگی اور اسکو درخور اعتناء نہ سمجھا جائیگا۔مثال کے طور پر احادیث روایت کرنے والوں میں ایک نام عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کا بھی ملتا ہے ان پر جرح وتعدیل کے امام فن ابن معینؒ نے جرح کی ہے اور ان کو غیر ثقہ قرار دیا ہے۔لیکن امام ابن معین نے عمر بن سعد پر جرح کے لئے جس چیز کو بنیاد بنایا ہے وہ ثابت نہ ہونے کی بنا پر تسلیم نہ کی گئی اور محققین نے اُس کو رد کر دیا۔امام ابن ابی خیثمہؒ المتوفی ۲۷۹ھ نے کہا"میں نے امام ابن معینؒ سے سوال کیا کہ کیا عمر بن سعد ثقہ ہیں؟ تو امام ابن معینؒ نے فرمایا جس نے حسینؓ کو قتل کیا وہ ثقہ کیسے ہوسکتا ہے؟ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۱۱۱/۶۔تاریخ ابن خیثمہ ۹۴۵/۲)اس عبارت میں ابن معین نے عمر بن سعد پر قتل حسین کا الزام لگایا لیکن چونکہ تاریخی طور پر یہ ثابت نہیں اس لئے ائمہ فن نے ابن معین کی اس جرح کو تسلیم نہ کیا بلکہ رد کر دیا اور عمر بن سعد کو مجروح نہیں بلکہ ثقہ (معتبر) قرار دیا۔جیسا کہ ابھی گذرا کہ عمر صدیق نے محدث خلال کی السنہ کے حوالے سے یہ جو بیان کیا یزید بن معاویہ نے قتل صحابہ کیا اور مدینہ لوٹا۔اس صورت میں کیا یزید سے حدیث روایت کی جائے گی؟ تو ہمارا یہی جواب ہے کہ عمر بن سعد کے بارے میں امام ابن معین نے اسی بنا پر عمر بن سعد کو مجروح ومقدوح قرار دیا تو یہ اس لئے لائق اعتبار نہیں کہ یہ تاریخی طور پر مدلل اور ثابت نہیں۔لہٰذا امام ابن معین کی طرح امام الخلال کی بات بھی اس لئے قابل قبول نہیں کیونکہ یہ ثابت نہیں ہے۔

اویس قرنی اور حضرت یزید کی روایت حدیث کے اتنے زاوئے ہیں کہ قارئین میں مکمل طور پر ان کو ہضم کرنے کی قوت بمشکل ہوگی۔اس لئے ہم بھی دل پر پتھر رکھ کر بہت کچھ نظر انداز کرتے ہوئے تھوڑی بہت معلومات پر ہی اکتفاء کرنے پر مجبور ہیں۔

حضرت عمر بن سعدؒ اس لشکر کے نمائندے تھے جو حضرت حسینؓ سے کربلا میں ملا تھا اور اسی جگہ حسین قتل کر دئے گئے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہین کہ عمر بن سعد نے انکو قتل کیا یا اس کا حکم دیا

اس کا کوئی ثبوت نہیں۔صحابہ کرام نے اہل کوفہ (عراقیوں) کو حسینؓ کا قاتل قرار دیا ہے اور عمر بن سعد کربلا میں وارد ہوئے تھے خود کوفی یا عراقی نہ تھے لہذا قتل حسین کے الزام سے بری تھے۔خود عمر صدیق نے تقریر کے آغاز میں کہا کہ بخاری کی روایات کے مطابق عراقی ہی قاتل حسین ہیں۔ان ہی حقائق تاریخیہ کی بنا پر محدثین نے امام ابن معین کی عمر بن سعد پر جرح کو تسلیم نہ کیا اور ان کو ثقہ قرار دیا۔یوں ہی امیر یزیدؒ کا معاملہ ہے کہ خلال کے مطابق انہوں نے قتل حسین کے جرم کا ارتکاب کیا اس لئے لائق اعتبار نہیں تو چونکہ دعویٰ خلال ثابت نہیں لہٰذا یہ الزام غیر معتبر ہونے کی بنا پر قابل قبول نہیں۔

یزید کی روایات کے شواھد و متابعات کی بنا پر وہ راوی بھی ھیں

محدثین نے اگرچہ یزیدؒ کو رواۃ میں شمار کیا یہ اور بات ہے کہ یزیدؒ سے نیچے کی سند نہ ہونے کی بنا پر روایت ثابت نہ ہوئی اسی لئے اصول جرح وتعدیل کی رو سے یزیدؒ کی گرفت صحیح نہیں کیونکہ موصوف اس معنیٰ میں راوی ہی نہیں ہیں لیکن موصوف سے دو صحیح روایات ملتی ہیں اور دونوں کی متابعات وشواہد ہیں۔اسی بنا پر یہ دونوں امیر موصوف کی ثقاہت وعدالت پر دلالت کرتی ہیں تفصیل اس کی یہ ہے۔پہلی حدیث امام ابن عساکرؒ متوفی ۵۷۱ھ نے پیش کی۔اس حدیث کو ابو خالد یعنی یزید بن معاویہ نے اپنے والد امیر معاویہؓ سے روایت کیا ہے اور امیر معاویہؓ کی یہی حدیث بخاری میں موجود ہے دیکھیں (بخاری رقم ۷۱) دوسری حدیث ابوالقاسم تمام بن محمد الرازی ثم دمشقی المتوفی ۴۱۴ نے پیش کی۔امیر معاویہؓ سے مروی اعضاء وضوء کو تین بار دھونے والی حدیث صحیح سند سے ابوداؤد میں موجود ہے دیکھیں (سنن ابی داؤد رقم ۱۲۵) علامہ البانیؒ نے اسے سلسلہ صحیحہ میں نقل کیا ہے دیکھیں **سلسلة لاحاديث الصحيحه و شيئی من فقهها و فوائدها** ۵۲۳/۱۔رقم ۲۶۱) معلوم ہوا کہ یزید بن معاویہؒ سے جو احادیث منقول ہیں وہ ثابت شدہ ہیں۔اب اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یزید بن معاویہؒ نے ان احادیث کی روایت کی ہے تو چونکہ یزید بن معاویہ کی بیان کردہ یہ احادیث ثقہ رواۃ (راویوں) کے موافق ہیں اور ان کے شواہد ومتابعات بھی ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ ان احادیث کی روایت میں یزید بن معاویہؒ عادل وضابط یعنی ثقہ وصدوق ہیں۔

اویس قرنی بھی اسی بنا پر عادل و ضابط ھیں

امام ابونعیمؒ المتوفی ۴۳۰ھ نے حلیۃ الا ولیاء ۳۸۰/۱ میں اور دوسری حدیث بھی اسی حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ۸۷/۲ میں پیش کی جو اویس قرنی کی ہے۔ امام ابن عدی نے راجح اسی کو سمجھا ہے کہ اویس قرنیؒ نے کوئی حدیث روایت نہ کی کیونکہ حضرت یزید کی طرح ان سے مروی احادیث (صرف ۲) میں نیچے کی سند ثابت نہیں لیکن چونکہ ان سے منقول ان دونوں روایات کے بھی شواہد ومتابعات ملتے ہیں۔ اس لئے اس قلیل تعداد روایات میں بھی اویس قرنی ثقہ وصدوق قرار پاتے ہیں لہٰذا امام ابن عدیؒ المتوفی ۳۶۵ھ نے کہا کہ اویس قرنی کی ایک بھی روایت نہیں ہے بلکہ ان سے متعلق حکایات وقصص اوران کے زہد کی خبریں ہی ملتی ہیں اور بعض لوگوں نے ان کے وجود ہی کے بارے میں شک کیا ہے لیکن چونکہ یہ بذات خود مشہور ہیں اوران کی خبریں بھی مشہور ہیں اس لئے ان کے وجود کے بارے میں شک کرنا درست نہیں اوران سے منقول احادیث بہت کم ہیں جس کی بناپر ان پرضعف کا حکم لگانے کی گنجائش نہیں ہے بلکہ یہ اپنی روایات کی تعداد کے حساب سے سچے اور ثقہ ہیں۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال لا بن عدی ۱۱۱/۲)

کہنا یہ ہے کہ اگر اویس قرنی سے مروی صرف دو روایات کی تعداد ان کے ثقہ اور صدوق ہونے پر دلالت کرتی ہے تو ایسے ہی یزید بن معاویہؓ سے بھی مروی دو روایات ان کے ثقہ وصدوق ہونے پر دلالت کرتی ہیں جبکہ بالخصوص یزید بن معاویہؒ کی احادیث کے شواہد ومتابعات بھی موجود ہیں۔ محمود احمد عباسی کا جوطویل اقتباس ہم نے نقل کیا تو اس بحث سے اسکی تصدیق بھی بحمدہ تعالی ہوئی۔

اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ یزیدؒ نے کوئی روایت بیان نہ کی تب بھی انکا معاملہ وہی ہوگا جواویس قرنی کا ہے چنانچہ راجح قول کے مطابق اویس قرنیؒ نے کوئی روایت بیان نہیں کی لہٰذا اس ناحیہ سے انکو ضعیف یا ثقہ کہنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں حافظ ذھبیؒ کی صراحت گذری لیکن چونکہ اویس قرنی کی خوبیاں مذکور ہیں اسلئے اس اعتبار سے ابن سعدؒ المتوفی ۲۳۰ھ نے اویس قرنی کو ثقہ کہا ہے امام ابن سعد نے کہا کہ اویس ثقہ تھے اور کسی سے بھی ان کی کوئی راویت نہیں (الطبقات لا بن سعد ۲۰۷/۶) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روایات نہ ہونے کے باوجود بھی خوبیوں کی بناپر اگراویس قرنیؒ ثقہ وصدوق

ہیں تو اس اصول کی بنا پر امیر المومنین یزید بن معاویہؒ بھی ثقہ وصدوق ہیں۔ کیونکہ یزید بن معاویہؒ کی خوبیاں منقول ہیں جیسا کہ ابھی آپ مطالعہ کریں گے۔

یزید بن معاویہؒ کے محاسن و فضائل

حضرت یزید بن معاویہؒ کے فضائل وخصائل درج ذیل ہیں جن کی بنا پر وہ ثقہ وصدوق قرار دئے جاسکتے ہیں۔

۱) صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر سب سے پہلے غزوہ کرنے کی بنا پر یزید کو بخشا ہوا فرمایا اور ان سے قبل کسی نے بھی بسند صحیح قسطنطنیہ پر حملہ نہ کیا اور بخاری کی روایت سے ہی ثابت ہے کہ یزید ہی اس لشکر غزوۂ قسطنطنیہ کے امیر تھے اور اسی کتاب میں تفصیل گذری (بخاری رقم ۲۹۲۴۔) دوسری حدیث بخاری رقم ۱۱۸۶)

۲) قسطنطنیہ کے اس حملے میں اکابر صحابہ جیسے حضرت حسینؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ ابوایوب انصاریؓ محمود بن ربیعؓ اور بھی دیگر صحابہ تھے نیز تابعین تو بے شمار تھے تو صحابہ، تابعین وتبع تابعینؒ کا امیر یزید کی ماتحتی میں جہاد کرنا ہی امیر موصوف کی ثقاہت وعدالت کا بین ثبوت ہے (بخاری رقم ۱۱۸۶)

۳) صحیح سند سے ثابت ہے کہ حسینؓ نے یزید بن معاویہؒ کو امیر المومنین کہا ہے (طبری ۲۹۹/۳ واسنادہ صحیح) صحیح تاریخ طبری کے محققین نے بھی اس روایت کے رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے اور اس کو صحیح تاریخ طبری میں نقل کیا ہے۔ دکتور شیبانی نے بھی طبری کی اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا دیکھیں (مواقف المعارضہ ص ۳۴۲)

یزید بن معاویہؒ کی ثابت شدہ خوبیوں کی بنا پر امام لیث بن سعد نے بھی یزید کو امیر المومنین کہا ہے (تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۵۳ واسنادہ صحیح)۔ امام ابوبکر ابن العربی المتوفی ۵۴۳ھ فرماتے ہیں "اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہتے ہیں کہ بغیر دو گواہوں کے یہ بات ثابت ہی نہیں ہوسکتی تو کس نے اس بات کی گواہی دی ہے؟ بلکہ عادل لوگوں نے تو یزید کے عدل کی گواہی دی ہے۔ چنانچہ یحیٰی بن بکیر نے روایت کیا کہ امام لیث بن سعدؒ نے کہا کہ امیر المومنین یزید فلاں تاریخ میں فوت ہوئے تو یہاں امام لیث بن سعدؒ نے یزید کو امیر المومنین کہا ہے انکی حکومت اور انکا دور ختم ہونے کے بعد۔ اگر ان کے نزدیک یزید اس درجہ قابل احترام نہ ہوتے تو یہ صرف یہ کہتے کہ یزید فوت ہوئے (العواصم من القواصم الاوقاف السعودیہ ص ۲۲۸)

رہی عمر بن عبدالعزیز کے یزید کو امیر المومنین کہنے پر کوڑے لگانے کی روایت تو اس کی تردید پیچھے ہوئی۔

۴) صحابہ کرام میں عبداللہ بن عباسؓ نے انکو نیک اور صالح ترین شخص کہا ہے اور یہ روایت تفصیل سے ہم نے پیش کی ہے(انساب الاشراف للبلا ذری ۵/۲۹۰ و اسناده حسن لذاته)

۵) تابعین میں محمد بن حنفیہؒ نے بھی (یزید) کو عبات گذار، سنت کا پاسدار اور علم دین کا شیدائی کہا ہے جیسا کہ اسی کتاب میں گذرا (البدایہ والنہایہ ۸/۲۲۳ و تاریخ اسلام للذھبی ۵/۲۷۴ و اسنادہ صحیح) محمد بن حنفیہؒ کی گواہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید کتاب وسنت کا علم رکھنے والے تھے اور ان کے پاس احادیث تھیں یہ اور بات ہے کہ انہوں نے روایت نہ کی جس طرح اویسؒ نے روایت نہ کی۔

٦) یزید بن معاویہؒ کی عدالت وثقاہت کی سب سے بڑی دلیل (حدیث غزوۂ قسطنطنیہ کی طرح) صحابہ کرام کا یزید بن معاویہؒ کی بیعت پر اتفاق کامل ہے اس لئے کہ خلافت کیلئے اہل علم نے جو شرط بیان کی ہیں ان میں امام کا عادل اور معتبر ہونا بھی ہے (الاحکام السلطانیه لا بی یعلی الفراء ص۲۲ و عام کتب احکام) اور امیر کا ثقہ، صدوق وعادل ہونا تو شرط اول ہے ہی، یزید بن معاویہ کی خلافت سے چند حضرات نے اختلاف کیا تھا اور یہ بھی یزید کی نا اہلی کی بنا پر نہ تھا بلکہ وجہ یہ تھی کہ یزید موجودہ خلیفہ (معاویہؓ) کے بیٹے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ باپ کے بعد بیٹے کے خلیفہ بننے کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ یعنی فی نفسہ یزید کی ثقاہت و عدالت سے کسی کو کوئی شکایت نہ تھی بلکہ باپ کے بعد بیٹے کے خلیفہ بننے کی خرابی کی بنا پر اختلاف تھا۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اگر خلافت کے وقت اختلاف کی وجہ عدالت وثقاہت ہوتی تو قسطنطنیہ پر حملے کے وقت بھی یہ اعتراض ہونا چاہیئے تھا لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

کیا یزید کی موت کا ذکر علماء نے ادب سے نہ کیا؟

اسکے بعد عمر صدیق نے یزید بن معاویہؒ پر ایک اور حملہ کیا یہ کہہ کر کہ محدثین نے یزید کی موت کا ذکر ادب سے نہ کیا۔ کہا ''ابن حجر کا طریقہ ہے کہ جب وہ ائمہ ومحدثین کی وفات کا تذکرہ کرتے ہیں تو لکھتے ہیں توفی فی سنہ فلاں۔ جب اس کی باری آئی تو فرمایا ھلاک مردار ہو! فلاں ماہ میں۔ ڈھیر ہوا۔ فلاں ماہ میں مرا۔ اس کی موت کا ذکر بھی ائمہ محدثین نے ادب کے ساتھ نہ کیا''

جواب۔عمر صدیق نے یہ جو فرمایا کہ یزید کی موت کا ذکر بھی علماء ومحدثین نے ادب سے نہ کیا تو سن لیں کہ متاخرین تو شیعی فکر ونظر کے حاملین میں سے ہیں جبکہ متقدمین تو حضرت یزید کا ذکر خیر اوران کی موت کا ذکر خیر بھی ادب کرتے ہیں۔

امام ابوبکرابن العربی المتوفی ۵۴۳ھؒ فرماتے ہیں''اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہتے ہیں کہ بغیر دو گواہوں کے یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی تو کس نے اس بات کی گواہی دی؟ بلکہ عادل لوگوں نے تو یزید کے عدل کی گواہی دی ہے۔چنانچہ یحییٰ بن بکیر نے روایت کیا کہ امام لیث بن سعدؒ نے کہا:امیر المونین یزید فلاں تاریخ میں فوت ہوئے۔تو یہاں پر امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے یزید کو امیر المومنین کہا ہے ان کی حکومت اور انکا دور ختم ہونے کے بعد۔اگر یزید ان کے نزدیک اس درجہ قابل احترام نہ ہوتا تو یہ صرف یوں کہتے کہ یزید فوت ہوئے۔امام ابوبکر ابن لعربیؒ کی صراحت سے معلوم ہوا کہ یزیدؒ پر شرابی ،زانی وغیرہ ہونے کے سارے الزامات مردود اور بے بنیاد ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ بے بنیاد الزام تراشی کرنے والا جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہوتا ہے۔یہاں تک کہ زبیر علی زئیؒ جن کی تحقیق عمر صدیق صاحب نے لشکر قسطنطنیہ کے حوالے سے پیش کی ہے' نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ یزید کا شرابی اور تارک صلوۃ ہونا ثابت ہی نہیں (دیکھیں۔ماہنامہ الحدیث شمارہ ۷ ۱۰ ص ۱۵' العواصم من القواصم الاوقاف السعودیہ ص ۲۲۸)

دراصل منفی ومثبت دونوں قسم کے اقوال واحوال تاریخ میں ملتے ہیں لیکن یزید دشمنی کا جذبہ غلط قسم کے مقررین ،مورخین ومحققین سے نہ جانے کیا کیا گل کھلاتا ہے۔ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ چند ایک یزید مخالف مورخین یا محققین کو چھوڑ کر سب نے حضرت یزید کی وفات کا تذکرہ اسی انداز میں کیا جس طرح کیا جاتا ہے لیکن ان سب کو چھوڑ کر صرف منفی طرز کے حوالے پیش کرنا یزید دشمنی کی آتش غیض وغضب کو بھڑکانے کے مترادف ہے۔اب ابن کثیر کو ہی لیں یہ ہمیشہ یزید کے بارے میں متضاد باتیں کرتے ہیں۔بالکل کنفیوژڈ ہیں کبھی تعریف وتوصیف کرتے ہیں کبھی شیعی روایات کی روشنی میں آنکتے ہیں تو کبھی کبھی حقائق ومعارف کا بیان کرتے ہیں جیسے غزوۂ قسطنطنیہ کے ضمن میں اس غزوۂ کو رسول اللہ کی نبوت کی نشانی قرار دیا۔امیر یزید کو مرحوم ومغفور کہا۔یہی تضاد بیانی ہے کہ ایک طرف تو یزید کو غزوۂ قسطنطنیہ کی بنا پر مرحوم کہا جائے دوسری طرف

ان کی موت کا تذکرہ خراب طریقہ سے کیا جائے مسلم بن عقبہ، جنہوں نے حرّہ کے حملے کی قیادت کی تھی ان کی موت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں کہ مسلم بن عقبہ نے کہا اے اللہ میں نے توحید ورسالت کی شہادت کے بعد کوئی ایسا کام نہ کیا جو مجھے اہل مدینہ کے قتل سے زیادہ محبوب ہو اور مجھے آخرت میں اس کی جزا ملے گی اور میں اس کے بعد دوزخ میں داخل ہوا تو میں شقی ہوں گا پھر وہ مرگیا۔ خدا اس کا بھلا نہ کرے اور مسلک میں رفض کیا گیا یہ قول واقدی کا ہے (البدایہ والنہایہ لابن کثیر صفحہ ۲۵۰ جلد ۸) قارئین کو ہم بتا دیں کہ ابن کثیر نے اس قول کو کذاب اعظم واقدی کے حوالے سے بیان کیا ہے اب خود ہی فیصلہ کرلیا جائے کہ کذاب یعنی جھوٹے کے ذریعہ اس روایت کو ابن کثیر نے بیان کردیا اس صورت میں اس کی کیا وقعت باقی رہتی ہے۔ پھر اس روایت میں جو مضمون ہے اس پر غور کیا جائے تب بھی صحیح بات کررہے ہیں کہ توحید ورسالت کی گواہی کے بعد سب سے اچھے عمل کی حیثیت وہ حرّہ کے حملے کو دے رہے ہیں۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر اس قول کو صحیح مان لیا جائے تو بھی مسلم بن عقبہ نے صحیح ترین بات کہی ہے۔ وہ اس طرح کہ یقیناً اہل فتنہ بلوائی اور باغیوں کی سرکوبی اور قتل اچھے اعمال ہیں کہ ان کو توحید ورسالت کے ساتھ شمار کروایا جائے جو اس امیر لشکر حرّہ نے کیا ہے۔ یہ تو عجیب بات ہوئی کہ اہل مدینہ کا وہ گروہ جو باغی اور سرکش ہوکر اسلامی حکومت کا تختہ پلٹے، اس کو تو اہل مدینہ لفظ کی مقدس چادر زیب تن کرادی جائے اور جو اس باغی اور سرکش گروہ کا خاتمہ کرکے اسلامی حکومت کی بقا کا اہتمام کرے اسکو اسی مقدس کام کیلئے بدنام کیا جائے پھر اس راوی نے یہ کہا کہ مرگیا یعنی مسلم بن عقبہ کو یہ مرگیا کیا کوئی خراب طریقہ ہے موت بیان کرنے کا؟ خود اللہ تعالیٰ نے انبیاء کیلئے مات فات قتل کا استعمال عام طور پر کیا ہے۔ اللہ نے انبیاء کیلئے قتل کا استعمال عام طور پر کیا ہے۔ اللہ نے اس کیلئے توفی کا استعمال نہ کیا کہ وفات پا گیا یا پاگئے بلکہ سب کیلئے بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مات فات کا استعمال کیا۔ تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اللہ نے اپنے رسول کی توہین کی اس لئے کہ موت کیلئے بجائے توفی کے مات یعنی لفظ مرا استعمال کیا۔

ابن کثیر نے مسلم بن عقبہ کی موت کا ذکر کرنے کے بعد امیر یزید کا ذکر کیا اور کہا پھر اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ یزید بن معاویہ کو بھی لے گیا اور وہ اس کے بعد ۱۴ ربیع الاول کو فوت ہوگیا۔ پس اللہ نے ان دونوں کو اس چیز سے شاد کام نہ کیا جس کی اس سے وہ امید کرتے تھے بلکہ ان کو اس ھستی نے مغلوب کرایا جو اپنے بندوں پر غالب ہے اور ان سے حکومت کو چھین لیا جو جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے

(البدایہ لابن کثیر ص ٤٥٠)

اس روایت میں بھی ابن کثیر نے اسی شیعی فکر و نظر کو اختیار کیا جوانہوں نے طبری کی بیان کردہ شیعی روایات کے زیر اثر کہا۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت یزید کو ۵۰ھ میں تمام صحابہ کرام نے امیر معاویہؓ کی قیادت میں ولیعہد تسلیم کیا پھر ۶۰ھ میں کائنات کے سب سے اچھے انسانی طبقے یعنی صحابہ کرام نے اپنا خلیفہ قبول کیا پھر اس طبقے نے تقریباً چار سال تک ہمیشہ حکومت میں ان کا تعاون کیا۔ امیر موصوف نے اہل مدینہ کی سرکشی و بغاوت کو دبانے کیلئے اگر فوجی کارروائی کی تو ان کے اس مقدس عمل کو جسٹی فائی نہ کر کے اس کی مذمت کی جائے اور غنڈوں اور موالیوں کو صحیح قرار دیا جائے! اور ابن کثیر کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ اللہ نے حکومت کو چھین لیا جبکہ اسی اللہ نے صحابہ کرام کے ذریعہ یہ حکومت دلوائی تھی۔ کیا اللہ کو خبر نہ تھی کہ یہ اتنے برے اور سنگین جرائم کا ارتکاب کرے گا کہ حکومت قائم کروادی لیکن بعد میں اللہ کو رجوع کرنا پڑا کیونکہ یزید تو خراب نکلا۔ قسطنطنیہ کے غزوے میں انکو مرحوم و مغفور کہہ دیا لیکن اس نے جہنمیوں والے کام کیئے۔ جب کہ ان ہی ابن کثیر نے غزوۂ قسطنطنیہ کی فتح (جنتی ہوئی) کو اللہ کی نشانی قرار دیا حیرت ہے! یہی ابن کثیر یزید کی امارت غزوۂ قسطنطنیہ کو اللہ کی نشانی قرار دیں اور یہی مورخ موصوف یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے حکومت چھین لی یزید سے تو پھر یہ بھی فرمادیں کہ اللہ نے پہلے تو قسطنطنیہ کے غزوۂ کی بنا پر یزید کو جنتی قرار دیا تھا لیکن اللہ کو پتہ نہ تھا کہ یزید اتنا خراب نکلے گا بہرحال شیعی فکر و نظر والوں نے یہ بات بھی کہی اور ابن حجر نے فتح الباری میں اس کو نقل کیا اور ابو زید ضمیر نے بھی اپنی رسوائے زمانہ تقریر میں یزید کے اس غزوے کے ذکر میں کوشش کی کہ یہ ثابت کریں کہ یزید کا جنتی ہونا مشروط ہے خاتمہ بالخیر کے ساتھ اور اعمال کے اخیر تک صحیح ہونے پر۔ بہرحال ہمارے مورخین کا یہ حال ہے۔ اگر اسلامی مورخین کی تاریخ نویسی پر نقد و نظر اور دار و گیر کی جائے تو آدھی سے زیادہ تاریخ سے ہاتھ ہونا پڑ جائیگا ویسے ہم تو نہانے کو تیار ہیں۔ ابن کثیر جیسے مورخ نے جو صرف مورخ ہی نہیں بلکہ توحید پرست مورخ بھی ہیں، موحد بھی ہیں اور شارح بھی لیکن روایت پرستی کا شکار ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم اس روایت کو نہ لکھتے لیکن کیا کریں طبری نے لکھ دیا تو ہم کو بھی لکھنا پڑا یعنی بات چاہے غلط ہی کیوں نہ ہو لیکن کیا کریں طبری نے تو لکھ دیا اب اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ طبری نہ ہوئی بخاری و مسلم ہوگئی۔

عمر صدیق بھی روایت پرست ہیں خود کی کوئی تحقیق نہیں نہ ہی اللہ نے عقل دی کہ محاکمہ کریں۔تاریخ وحدیث میں فرق ہی نہیں معلوم جبکہ اگر احادیث رسول اور تعامل خیر القرون کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو تاریخ صحیح سمت میں لے جاسکتی ہے۔یہاں تو معاملہ برعکس ہے کہ کتب احادیث کو کتب تواریخ کے ماتحت کر کے تاریخ بیان کی جاتی ہے اگر ابن حجر نے ادب کے ساتھ وفات یزید کا ذکر نہ کیا تو یہ ان کی ذاتی غلطی ہے وہ کوئی نبی یا رسول نہیں کہ جس کی بنا وحی الٰہی ھو۔حیرت ہے ابن حجر کا یزید کی وفات کا برا ذکر کرنا عمر صدیق کو راس آتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یزید کو مرحوم و مغفور قرار دیں تو اس کے خلاف تحقیق کے دریا بہا دیتے ہیں۔ویسے ابن کثیر نے حضرت یزید کی وفات کا ذکر ایک جگہ خراب طریقے سے کیا لیکن دو صفحہ کے بعد ۴۵۳ میں اچھے طریقے سے ذکر وفات کیا کہا ”اور اس کے باپ کی زندگی میں اس کی بیعت خلافت ہوئی کہ وہ اپنے باپ کے بعد ولی عہد ہوگا پھر اس کے پاب کی وفات کے بعد ۱۵ رجب ۶۰ھ کو اس عہد کو مضبوط کر دیا گیا اور وہ (یزید) اپنی وفات تک جو ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو ہوئی مسلسل متولی رہا۔“ (البدایہ لابن کثیر ص ۴۵۳)

اس روایت میں تو وفات کا ذکر خیر ہے۔مرا یا ہلاک وغیرہ الفاظ نہیں ہیں بلکہ اس روایت میں تو حکومت یزید کے استحکام کا ذکر ہے جبکہ ۲ صفحہ پہلے ان ہی ابن کثیر نے یہ الفاظ کہے کہ اللہ نے حکومت چھین لی اور یہ فوت ہوئے اسے ہی تضاد بیانی کہتے ہیں جس کا ابن کثیر بھی شکار ہیں اور حافظ ابن حجر بھی جا بجا شکار نظر آتے ہیں۔دراصل ہم مسلمانوں کو تاریخ شیعوں سے ملی ہے اسی لئے متاخرین کی فکر و نظر ان سے متاثر نظر آتی ہے لیکن متقدمین کے زمانے میں طبری صاحب موجود نہ تھے اور نہ واقدی اور ابن ھشام لہٰذا یہ لوگ محفوظ تھے۔سوچ رہا ہوں کہ عہد حضرت یزید و امیر معاویہ جو البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے اس کی تخریج علماء سے بالخصوص کروائی جائے اور اسکو الگ سے شائع کیا جائے۔روایت پرستی کے سارے بھرم ہوا ہو جائیں گے۔

قول امام نخعی رحمہ اللہ کا عجوبہ

اس کے فوراً بعد عمر صدیق فرماتے ہیں ”اللہ کی قسم ابراہیم نخعی کا وہ قول ہے کہ اگر بالفرض حسین کے قاتلوں میں شامل ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اور میں جنت میں بھی چلا جاؤں۔بتاؤ حسین کے نانا حضرت محمد کا سامنا کس منہ سے کروں گا“

حیرت ہے اس قول ابراہیم نخعی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاتل حسین کی بخشش ہوسکتی ہے اور جنت میں داخلہ بھی۔ جبکہ ہمیں یقین ہے کہ عمر صدیق تو اس کو کم سے کم ہرگز نہ مانیں گے پھر ایک امام فقہ ابراہیم نخعی کے اس لغو قول کے کیا معنیٰ کہ اللہ انکو قتل حسین کے بعد بھی بخش سکتا ہے؟ اور جنت میں بھی داخل کرسکتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے بخشنے کے بعد بھی اللہ کی بخشش سے مطمئن نہ ہونا اس سے بڑا گناہ میں کہہ سکتا ہوں کہ ایک شخص کے یہ ذاتی جذبات ہیں یہ کوئی شرعی نص تو نہیں۔ نہ جانے اس کو پیش کر کے عمر صدیق کو کیا فائدہ ہوگا؟ پھر اس قول سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یزیدؒ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا۔ اس کا ثبوت پیش کرنا عمر صدیق صاحب کی ذمہ داری ہے۔ پھر حسینؓ کے قاتل تو بقول عمر صدیق عراقی یا کوفی ہیں تو کیا اس قول میں ابراہیم نخعیؒ نے یہ قبول نہ کرلیا کہ قاتلان حسین میں حضرت یزیدؒ شامل نہیں بلکہ عراقی ہیں۔

صحابہ اور اہل بیت کو تھام لو' سب کو چھوڑ دو

اس کے بعد چند منتشر باتیں جو نا قابل التفات ہیں' بیان کرنے کے بعد عمر صدیق کہتے ہیں ''ہم کہتے ہیں صحابہ اور اہل بیت کو تھام لو۔ باقی سب جو ہاتھ سے گئے تو کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ کے رسول نے کہا کہ دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ دوسرے میرے اہل بیت۔ قسم اللہ کی! ہم اہل بیت کے ساتھ ہیں یزید کے ساتھ نہیں ہیں''

جواب۔ عمر صدیق صاحب کہتے ہیں کہ صحابہ اور اہل بیت کو تھام لو باقی سب ہاتھ سے گئے تو کوئی پرواہ نہیں۔ تو عمر صدیق پر اپنے اس قول کے مطابق یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حضرت یزید رحمہ اللہ کے وفادار بنیں اور صحابہ اور اہل بیت کے ساتھ ہونے کے دعوے کو شرمندہ تعبیر کریں اس لئے کہ تمام صحابہ نے بیعت ولیعہدی میں بھی حضرت یزیدؒ کو امام مانا پھر ۶۰ھ میں وفات حضرت معاویہؓ کے وقت بھی حضرت یزید کو خلیفۃ المسلمین مانا۔ چند نے اختلاف کیا لیکن ان میں سے بھی کچھ نے لیت ولعل کے بعد بیعت کرلی پھر پورے چار سال تک خلافت یزید میں تعاون کیا۔ پھر حرّہ کے واقعہ میں صحابہ وتابعین نے مل کر حرّہ کے فتنہ پردازوں، غنڈوں اور بلوائیوں کو درس عبرت دیا اور ایک مقدس فریضہ حکومت اسلامیہ کی بقا کا انجام تک پہنچایا۔ حرّہ کے اس حملے میں ہاشمیوں، اور اہل بیت نے باغیوں کا ساتھ نہ دیا بلکہ لشکر حضرت یزید کے ساتھ شامل ہوئے۔

فوج کو اندر داخل ہونے میں مدد کی۔اشراف مدینہ نے حرّہ کے فساد کی مخالفت کی۔اس دلیل سے تو خود عمر صدیق ہی مجروح اور مقدوح ثابت ہورہے ہیں۔قتل حسینؓ کے بعد انتقام حسینؓ کے لئے حرّہ کی بغاوت کی بہانہ جوئی پھر مختار بن عبید ثقفی کا ڈرامہ۔اس میں بھی اہل بیت کبھی شامل نہ ہوئے بلکہ ہمیشہ ہی اہل بیت اور صحابہ بنوامیہ کے وفادار ہے لہٰذا حدیث رسول کے مطابق عمر صدیق کو صحابہ واہل بیت کی روش کے مطابق حضرت یزید کا وفادار بننا چاہئیے۔

کیا ام سلمہؓ قتل حسین کی خبر سن کر غش کھاکر گر گئیں؟

پھر عمر صدیق نے بغیر حوالہ ایک واقعہ نقل کیا کہا ''کہ جب قتل حسینؓ کی خبر آئی تو ام المومنین ام سلمہؓ غش کھا کر گرگئیں اور کہا کہ اللہ کی قسم میں نے آج جنوں کو روتے ہوئے سنا ہے۔تو آج خوش ہوتا ہے بتا قیامت کو اللہ کے پیغمبر کو کیا منہ دکھائے گا۔ہم کہتے ہیں ظالم بادشاہ تھا۔فاسق تھا۔قتلِ حسین سے بری نہیں۔مدینہ کی حرمت پامال کرنے والا۔صحابہ کا قاتل ہے۔کعبہ کی توہین کرنے والا۔

جواب۔ابن کثیر نے قتل حسینؓ کے بارے کھوٹا کھرا،اچھا برا سب نقل کردیا۔سب کو خلط ملط کردیا۔علامہ ابن کثیر نے ۶۰ھ کے قتل حسین کے واقعات میں جہاں ام سلمہؓ کا یہ واقعہ تحریر کیا ہے اس سے ماقبل ومابعد ایسی واہیات وخرافات باتیں قلم بند کیں کہ اللہ کی پناہ بلکہ ام المومنین ام سلمہؓ کے قتل حسین کی خبر سن کر غش کھا کر گرنے کا جو واقعہ نقل کیا اس کے بعد بھی خرافات شیعہ وروافض نقل کرنے کے بعد جب مورخ موصوف خود تنگ آگئے اور جب غیرت سلفیت نے للکارا تو خود اگلے صفحہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہم اسکو البدایہ سے نقل کرتے ہیں۔اس واقعہ کے اگلے صفحہ ۲۰۷ میں موصوف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی کہ میں نے یحییٰ بن زکریا کے بدلے ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا ہے اور میں تیری بیٹی کے بیٹے (حسین) کے بدلے ایک لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو قتل کرنے والا ہوں یہ حدیث بہت غریب ہے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں لکھا ہے اور طبرانی نے یہاں بہت غریب آثار کو نقل کیا ہے اور شیعہ نے یوم عاشورہ کے بارے میں بڑا مبالغہ کیا ہے اور قبیح جھوٹ کے طور پر بہت سی احادیث وضع کی ہیں۔مثلاً یہ کہ اس روز سورج کو گرھن لگ گیا تھا اور ستارے ظاہر ہوگئے اور اس روز جو پتھر اٹھایا جاتا تو اس کے نیچے خون نظر

آتا اور آسمان کے اطراف سرخ ہو گئے اور سورج طلوع ہوتا تو اس کی شعائیں خونیں ہوتیں اور آسمان خون کے لوتھڑے کی طرح ہو گیا اور ستارے ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے اور آسمان نے سرخ خون برسایا اور اس روز سے پہلے آسمان میں سرخی نہ تھی۔ وغیرہ (البدایہ لابن کثیر ص ۲۰۷) اور ابن لہیعہ نے بحوالہ ابو قبیل المعافری روایت کی ہے کہ اس روز سورج گرھن ہوا۔ حتیٰ کہ ظہر کے وقت ستارے نمودار ہوئے اور جب حسینؓ کے سر کو قصر امارت میں لے گئے تو دیواریں خون برسانے لگیں اور زمین تین روز تک تاریک رہی اور ایک روز زعفران اور ورس سے جو چیز مس کرتی وہ اس کے چھونے سے مل جاتی اور بیت المقدس کے جس پتھر کو اٹھایا جاتا اس کے نیچے تازہ خون نمودار ہو جاتا اور حسینؓ کے جن اونٹوں کو انہوں نے غنیمت بنایا اور جب انہوں نے انکو پکایا تو انکا گوشت اندرائن کی طرح کڑوا ہو گیا۔ اس قسم کی اکاذیب اور موضوعات احادیث میں کچھ صحیح نہیں ہے۔ (البدایہ ص ۲۰۷)

جواب۔ میں کہتا ہوں کہ جب یہ شیعی عجائبات میں سے کچھ صحیح نہیں ہے تو آپ نے بھی ان ہی کو لوط بن یحییٰ رافضی سے پوری تاریخ قتل حسین میں نقل کیا ہے۔ کیا قتل حسین کی یہ پوری داستان جو طبری سے لوط بن یحییٰ کے حوالے سے ابن کثیر نے نقل کی ہے کیا یہ سب اسی کا حصہ نہیں؟

شیعی روایات کے ضعف اور وضع کے باوجود ابن کثیر ان کو صحیح بھی قرار دے رہے ہیں

ان شیعی و رافضی روایات کے غلط ہونے کا ذکر کرنے کے بعد بھی ابن کثیر اگلے ہی پیراگراف میں فرماتے ہیں ''اور آپ کے قتل کے بارے میں جو احادیث وفتن بیان کئے گئے ہیں ان میں سے اکثر صحیح ہیں'' (البدایہ و النہایہ ص ۲۰۷ لابن کثیر)

گرفت۔ تعجب ہے حاکم اور طبرانی اور دیگر شیعی روایات کو وضعی اور ضعیف قرار دینے کے بعد اگلے ہی پیراگراف میں ان اکاذیب و اباطیل کی صحت کا نغمہ گنگنا رہے ہیں مورخ موصوف کہ قتل حسین کے بارے میں جو احادیث و فتن بیان کئے گئے ہیں وہ اکثر صحیح ہیں! پھر فرماتے ہیں ''اور جن لوگوں نے آپ کو قتل کیا ہے ان میں سے کوئی کم ہی دنیا میں آفت اور مصیبت سے بچا ہے اور وہ اس دنیا سے اس وقت نہیں گیا یہاں تک کہ اسے مرض لاحق ہوا اور ان کی اکثریت کو جنون ہو گیا'' (البدایہ والنہایہ ص ۲۰۷)

گرفت ۔تعجب ہے کہ پہلے ان عجائب کو وضعی قرار دیتے ہیں۔پھر بھی ان خرافات کی تصحیح وتصدیق کرتے ہیں اور پھر فوراً دوبارہ ایک حقیقت ثابتہ تسلیم کرتے ہیں جو اس ذیل کی سرخی میں ملاحظہ فرمائیں۔

قتل حسین کی اکثر داستان وضعی اور جھوٹی ہیں۔ابن کثیر

بعدہ مورخ موصوف فرماتے ہیں ''اور شیعہ و روافضہ نے حسینؓ کے قتل کے بارے میں بہت سا جھوٹ اور جھوٹی خبریں بنائی ہیں اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے کافی ہے اور جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کا بعض حصہ محل نظر ہے اور اگر ابن جریر وغیرہ حفاظ اور ائمہ نے اسکا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی اسے بیان نہ کرتا اور اسکا اکثر حصہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی روایت سے ہے جو شیعہ تھا اور ائمہ کے نزدیک ضعیف الحدیث ہے بلکہ وہ حافظ مورخ ہے اس کے پاس یہ چیزیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں۔اسی لئے اس کے بعد آنے والے بہت سے مصنفین نے اس بارے میں اس پر کلوخ اندازی کی ہے'' (البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۴۰۸۔۴۰۷)

جواب ۔علامہ ابن کثیر یہ تسلیم کرنے کے باوجود بھی کہ شیعہ نے قتل حسین کے سلسلے میں بہت کچھ جھوٹی خبریں اور احادیث وضع کی ہیں، اسی شیعی راوی لوط بن یحییٰ کی روایات کی روشنی میں تاریخ بیان کرتے ہیں۔بڑی اہم بات یہ ہے کہ خود یہ تسلیم بھی کرتے ہیں کہ لوط بن یحییٰ شیعہ تھا پھر بھی قتل حسین کی پوری داستان کو اسی شیعی راوی سے آخر کیوں بیان کرتے ہیں؟ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے جو اس ضمن میں بیان کیا اس کا بعض حصہ محل نظر ہے۔میں کہتا ہوں کہ بعض حصہ کیوں بلکہ ہر وہ بات جو اس شیعی راوی سے مورخ موصوف بیان کرتے ہیں وہ محل نظر اور ناقابل اعتبار ہے۔عمر صدیق سے گذارش ہے کہ وہ اس قسم کی روایات سے اعراض وگریز کریں اور اپنی شیعی فکر ونظر سے دستبردار ہوں۔کیا ام سلمہ رضی اللہ عنہا شیعوں کی طرح ماتم و نوحہ کر سکتی ہیں اور جو ان کے ذریعہ یہ بیان کیا کہ جنات بھی ماتم ونوحہ کر رہے تھے تو ہو سکتا ہے وہ جنات شیعہ ہوں۔

اگر طبری نہ لکھتے تو میں بھی نہ لکھتا

ابن کثیر کے اس جملے پر غور کریں کہ اگر ابن جریر (طبری) وغیرہ حفاظ اور ائمہ نے اس کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی اسے بیان نہ کرتا اور اس کا اکثر حصہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی روایت سے ہے جو شیعہ تھا اور ائمہ کے نزدیک وہ ضعیف الحدیث ہے بلکہ وہ حافظ مورخ ہے اس کے پاس یہ چیزیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں۔ اسی لئے اس کے بعد آنے والے بہت سے مصنفین نے اس بارے میں اس پر کلوخ اندازی کی ہے (البدایہ ص ۷ ۲۰۴)

ہم کہتے ہیں کہ خود ابن کثیر اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ابن جریر طبری ہی نہیں بلکہ دوسرے حفاظ اور ائمہ نے بھی اس قسم کی خرافات کا تذکرہ کیا ہے جو اس شیعی راوی لوط بن یحییٰ اور شیعی روایات سے ہے لیکن ابن کثیر کی روایت پرستی دیکھئے کہ ان حقائق سے واقفیت کے باوجود بھی کہ یہ روایات ابو مخنف اور شیعوں کی ہیں، موصوف خود کو اتنا مجبور پاتے ہیں کہ ان روایات کو اپنی تاریخ البدایہ میں درج کرنے کے لئے مجبور ہو گئے اور یہ اقرار کیا کہ ہم کیا کریں ہم ہرگز نہ لکھتے کیونکہ یہ خرافات شیعوں کی ہیں لیکن اتنے بڑے امام طبری اور دوسرے ائمہ وحفاظ نے جب لکھ دیا تو ہم بھی مجبور ہوئے چاہے شیعوں کی فکر ونظر اہل سنت میں در آئے، چاہے شیعیت کو اپنے بال و پر استعمال کرنے کو نئے آسمان ملیں اور چاہے صحابہ وتابعین کی حرمت پامال ہو۔ یاد رہے حافظ صلاح الدین یوسف نے اپنی مشہور زمانہ کتاب خلافت وملوکیت کی شرعی حیثیت میں جہاں اصول تاریخ کا تذکرہ کیا ہے وہاں ابن کثیر کے اس جملے کو نقل کرنے کے بعد یہ بات کہی جو ہم نے اوپر کہی کہ ابن کثیر بھی روایت پرستی کا شکار رہیں۔

عبید اللہ بن زیاد رحمہ اللہ کو قاتل حسین قرار دیا

اس کے بعد عمر صدیق نے عبید اللہ بن زیاد پر قتل حسین کی ذمہ داری ڈالتے ہوئے کہا'' آ بتا کون ہے تیرے ساتھ۔ چودہ صدیوں میں کسی کا نام بتاؤ۔ عبید اللہ بن زیاد کی وکالت کرنے والو اٹھاؤ تحفۃ الاحوذی کو امام عبد الرحمٰن مبارکپوری نے لکھا ہے کہ یزید نے اس کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا قتل الحسین فی امارتہ اس عبید اللہ بن زیاد نے نبی کے بیٹے حسین کو اس (یزید) کی حکومت میں قتل کیا۔ یہ حسینؓ کے کٹے ہوئے سر پر چھڑی سے دانتوں پر مارتا تھا۔ (ترمذی کتاب المناقب)۔ جب یہ قتل ہوا تو سانپ آتا جاتا اور اسی جگہ کو ڈستا تھا جہاں یہ حسین کے چہرے کو چھڑی سے چھوتا تھا۔ اس نے حسین کی توہین کی تھی۔ اللہ نے اس کو عبرت کا نشانہ بنا دیا۔

خدا کی قسم ان نواصب کو بھی اللہ تعالیٰ عبرت کا نشانہ بنائے گا۔ان کو پتہ ہی نہیں تم کدہر ہو تمہارے اسلاف کدہر ہیں“

جواب۔تقریر کے اس حصے میں عمر صدیق نے یہ الزام لگایا ہے کہ قتل حسین کی ذمہ داری عبید اللہ بن زیاد پر ہے جبکہ اس سے قبل اس کی ذمہ داری حضرت یزیدؒ پر ڈالتے نظر آتے ہیں۔ہم بار بار کہتے ہیں کہ متقدمین تو تاریخ کے سلسلے میں گمراہ نہ تھے البتہ علماء متاخرین شیعی تواریخ کے زیر اثر ان مسائل میں اکثر و بیشتر حق سے برگشتہ تھے۔جو لوگ سب سے زیادہ محفوظ و مامون تھے وہ بھی بہت سے تاریخی امور میں متاثر تھے لیکن امام ابوبکر ابن العربی، شیخ ابن تیمیہؒ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور علامہ محبّ الدین خطیب رحمہ اللہ نیز عصر جدید میں متعدد سلفی علماء نے اس سمت تحقیقی سفر کا آغاز کیا ہے اور تاریخ کی تطہیر کا کام بطریق احسن ہو رہا ہے۔عصر حاضر میں حضرت یزید کا دفاع کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش رہنے والے شیخ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ وتولاوہ نے بھی اپنی کتاب رسومات محرم الحرام میں ”دندان مبارک پر چھڑی مارنے کا واقعہ“ کی سرخی کے تحت فرمایا:

”صحیح طور پر صرف اس قدر ثابت ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے تو آپ کا سر مبارک عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا اس نے آپ کے دانتوں پر چھڑی ماری اور آپ کے حسن کی مذمت کی۔مجلس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ دو صحابی موجود تھے۔انس رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید کی اور کہا ”آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے“ صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ اور صحابہ کو بھی آپ کی شہادت سے از حد ملال تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک عراقی نے پوچھا کہ حالت احرام میں مکھی مارنا جائز ہے؟ انہوں نے خفا ہو کر جواب دیا ”اے اہل عراق تمہیں مکھی کی جان کا اتنا خیال ہے حالانکہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر چکے ہو۔بعض روایتوں میں دانتوں پر چھڑی مارنے کا واقعہ یزیدؒ کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو بالکل غلط ہے کیونکہ جو صحابی اس واقعے میں موجود تھے وہ دمشق میں نہیں تھے عراق میں تھے“ (ص۸۰)

شیخ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے اپنی کتاب رسومات محرم الحرام اور خلافت وملوکیت کی شرعی حیثیت میں تحقیق وتدقیق کا حق ادا کر دیا اور دفاع بنی امیہ وحضرت یزید میں صحیح ترین موقف پیش کیا۔لیکن آپ کی مذکورہ بات محل نظر ہے، ہم اس کی حقیقت ذیل میں بیان کرتے ہیں۔تحقیقات جدیدہ میں علماء اہلحدیث نے نئے رکارڈ قائم کیئے ہیں۔اگر کوئی کسی مسئلہ میں غلطی کرتا ہے تو دوسرا سلفی بھائی اس مسئلہ کو منقح کر دیتا ہے۔اس طرح سلفیت محفوظ و مامون رہتی ہے اور فائق وغالب ہوتی ہے۔

تحقیق مسئلہ عبید اللہ بن زیاد

یہ تاریخی مسلمہ ہے کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں متعدد شخصیات متہم اور ماخوذ ہیں۔ایسے ہی عبید اللہ بن زیاد بھی بڑی حد تک قتل حسینؓ کے لئے مورد الزام قرار دیئے جاتے ہیں۔عام تواریخ میں ہے کہ اہل عراق کی غداری اور قتل مسلم بن عقیل کے بعد جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کے پاس جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو ابن زیاد نے یہ شرط لگا دی کہ پہلے حسین رضی اللہ عنہ کو اس (ابن زیاد) کی بیعت کرنا چاہیئے اس کے بعد ہی یزید رحمہ اللہ کے پاس جانے کی اجازت ملے گی۔اس شرط پر حسین آمادہ نہ ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ واقع ہوئی اور یہ حادثہ فاجعہ پیش آیا۔اس روایت کو پیش کرنے والا وہی کذاب شیعی جلا بھنا راوی یعنی ابو مخنف لوط بن یحیٰی ہے جبکہ اسی کذاب نے یہ روایت بیان کی کہ جب عبید اللہ بن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کو یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔تاریخ طبری میں ہے ''عبید اللہ بن زیاد' حسین رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر پکار اٹھا کہ یہ تو ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے خلیفہ کا خیر خواہ ہے اور اپنی قوم پر شفیق ہے۔مجھے حسین رضی اللہ عنہ کی بات قبول ہے (تاریخ طبری ۵/ ۴۱۴) پھر تاریخ میں یہ روایت بھی ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کی منظوری کے بعد شمر ذی الجوشن نے ابن زیادہ کو بہکایا جس کی وجہ سے عبید اللہ بن زیاد نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔اس

دو رخی تاریخ پر ہم یہ کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد ایک صائب الرائے اور مشاق و مدبر حاکم تھا۔کوئی طفل شیر خوار نہیں جو شمر کے بہکانے پر اپنے سیاسی موقف کو بدل دے۔سب سے اہم یہ کہ شمر حسین رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار ہیں اور جنگ صفین میں یہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے (سفینۃ النجد ہ لعباس القمی الجزو ۴/۴۹۲) پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اس قرابت قریبہ کے باوجود بھی شمر ذی الجوشن نے حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف عبید اللہ بن زیاد کو بھڑکایا جبکہ کسی موضوع روایت میں بھی شمر اور حسین رضی اللہ عنہ کی باہمی رقابت اور مخالفت کا ادنیٰ سا سراغ نہیں ملتا۔

لیکن اگر تاریخی تعارض کے خاتمہ کے لئے بنظر غائر تدبر کیا جائے تو یہ حقیقت ثابت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کے پاس جانے کی اجازت دے دی تھی اور حسین رضی اللہ عنہ شام کی طرف یزید رحمہ اللہ کے پاس روانہ ہونے والے تھے لیکن کوفی سبائیوں نے رکاوٹ کھڑی کر دی اور حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔اور اس جرم عظیم کو پردہ راز میں رکھنے کیلئے لوط بن یحیٰی ابومخنف نے سبائی ٹکسال سے یہ روایت گڑھی کہ شمر بن ذی الجوشن کے کہنے پر عبید اللہ بن زیاد نے اپنی بات بدل دی تا کہ اہل کوفہ اس الزام سے بری ہوں اور تاریخی روایت سازی کی یہ ترکیب احادیث کے باب میں بھی شیعوں نے استعمال کی جو فی الحال ہمارے عنوان سے خارج ہے۔

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے اس میدان میں داد تحقیق دی ہے لیکن علامہ موصوف نے جو یہ نقل کیا کہ ''عمر بن سعد نے یہ مطالبے (حسین رضی اللہ عنہ کے تین مطالبات) ابن زیاد کو لکھ کر بھیج دئے تا کہ وہ ان کی منظوری دے دے لیکن اس نے سخت رویہ اختیار کیا اور کہا کہ وہ پہلے یہاں میری بیعت کریں تب میں انہیں یزید کے پاس جانے کی اجازت دوں گا۔حضرت حسین کی طبع غیور نے اس بات کو پسند نہیں کیا اور فرمایا لا یکون ذلک ابدا ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اس کے نتیجے میں وہ جنگ شروع ہوگئی (رسومات محرم الحرام ص ۱۰۸)

جبکہ تاریخی حقائق اس امر کا انکشاف کرتے ہیں کہ یہ غلط ہے اس لئے کہ اس کو قبول کر لینے سے خود حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت داغدار متصور ہوتی ہے کہ انہوں نے خواہ مخواہ ایسی ضد کی جس کے نتیجے میں کربلا کا حادثہ جانکاہ معرض وجود میں آیا اور اس بات کو خود حافظ صلاح الدین یوسف نے محسوس فرمایا چنانچہ ناقل ہیں ''اور حضرت حسین کا ابن زیاد کے انتظامی حکم کے مقابلے میں اپنی عزت نفس اور وقار کو عزیز تر رکھنا' حالانکہ اگر وہ موقع کی نزاکت اور حالات کی خطرناکی کے پیش نظر تھوڑی سی لچک اختیار کر لیتے تو شاید اس المیئے سے بچنا ممکن ہو جاتا'' (رسومات محرم الحرام ص ۱۰۹)

مقام غور وفکر ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے پرخطر حالات کی نزاکت جان کر واپسی پر آمادہ ہو چکے تھے اور وضاحت کردی تھی کہ وہ یزید رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار تھے تو ان کے بارے میں یہ کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے محض اپنی ضد اور انا کی خاطر اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان کو معرض خطر میں ڈال دیا؟ اور اگر تدبر و تعقل کو بروئے کار لایا جائے تو اس بات پر کسی طرح یقین نہیں کیا جاسکتا۔ ثابت ہوا کہ نہ ہی حسین رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی کوئی ضد کی اور نا ہی عبید اللہ بن زیاد نے ان کے ساتھ ایسا کوئی سخت گیر رویہ اختیار کیا جیسا کہ شیعی روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کی شرط کو تسلیم کر لیا تھا جیسا کہ ابو مخنف شیعی نے خود قبول کیا ہے لیکن ابو مخنف نے عدم منظوری والی بات کو خود وضع کر کے تاریخ کو بدل دیا۔

حسین رضی اللہ عنہ کے سرِ مبارک کو ابن زیاد کے پاس لایا جانا

عمر صدیق نے اس کے بعد عبید اللہ بن زیاد پر یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے حسین رضی اللہ عنہ کے کٹے ہوئے سر پر چھڑی سے دانتوں پر ضرب لگائی جبکہ نہ ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا اور نہ ہی دندان حسین کے ساتھ اہانت آمیز اس حرکت ناز یبا کا ارتکاب کیا۔ ورنہ پھر حضرت علیؓ بھی اس الزام کا مورد ثابت کئے جاسکتے ہیں۔ اس لئے کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے کٹے ہوئے سر کو ان کا قاتل لے کر علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا۔ امام ابن سعدؒ

سعد رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۰ھ نے اس کا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے کہ قاتل نے زبیر بن عوام سے ان کے سر کو لے کر اندر آنے کی اجازت طلب کی تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابن صفیہ (زبیر رضی اللہ عنہ) کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو پھر قاتل احنف نے زبیر رضی اللہ عنہ کے سر کو وہیں پھینکا اور چلا گیا (الطبقات لابن سعد ۱۱۰/۳ و اسناده صحیح و اخرجه ابن عسا کر من طریق ابن سعد)

ابن زیاد کا سر حسین رضی اللہ عنہ کی بے حرمتی کا واقعہ

بخاری کے الفاظ یہ ہیں کہ وقال فی حسنہ شیأ یعنی اس نے آپ (حسین) کی خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہا (بخاری رقم ۳۷۴۸) یہ الفاظ بھی اس حقیقت کے غماز ہیں کہ اس نے آپ کے حسن کی ہی تعریف کی تھی اور اور علامہ البانی نے بھی اس کی شرح میں یہی فرمایا ہے کہ ابن زیاد نے آپ کی خوبصورتی کے بارے میں کچھ تعریفی کلمات کہے (ھدایۃ الرواۃ ۴۶۱/۵ ۔حاشیہ رقم ۲) اور اس روایت کے آخری کلمات یہ ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے (بخاری رقم ۳۷۴۸) اس لئے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد نے ان کے حسن کی تعریف کی تھی تبھی تو صحابی رسول نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی مشابہت کا ذکر کر کے اس کی تائید کی تھی اور بعض روایات مین تو قطعی صراحت ہے کہ ابن زیاد نے اس وقت ان کے حسن کی تعریف ہی کی تھی لہٰذا ابن حبان میں مذکور اسی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ میں نے اس جیسی خوبصورتی کہیں نہیں دیکھی (صحیح ابن حبان ۴۲۹/۱۰) اور ترمذی کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے اس جیسی خوبصورتی کہیں نہ دیکھی پھر آپ کا ذکر (شر) کیوں کیا جاتا ہے؟ (ترمذی ۳۷۷۸) یہ تمام روایات ناطق ہیں کہ ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کی تعریف ہی کی تھی۔

سر پر چھڑی مارنے کا مسئلہ

عمر صدیق نے یہ جو کہا ہے کہ ابن زیاد نے سر مبارک پر دندان میں چھڑی سے ضرب لگائی تو اس کی حقیقت بھی سن لیں۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں فجعل ینکت یعنی وہ (ابن زیاد) لکڑی سے زمین کرید نے لگا (بخاری رقم ۳۷۴۸) ینکت کا مطلب ہوتا ہے رنج وغم میں سوچ میں پڑ کر چھوٹی لکڑی یا انگلی سے زمین کریدنا۔ اہل عرب کا

معمول تھا کہ وہ لوگ رنج وغم میں ایسا کیا کرتے تھے۔امام ابن لاثیر رحمہ اللہ المتوفی ۶۰۶ھ نے کہا''لکڑی سے زمین کریدنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی لکڑی کے ایک سرے سے زمین کریدے جس طرح رنج وغم کی حالت میں فکر میں کوئی کرتا ہے۔اوراسی مفہوم میں حدیث کے الفاظ ہیں فجعل ینکت بقضیب یعنی عبیداللہ بن زیاد لکڑی سے زمین کریدنے لگا۔یعنی لکڑی کے ایک سرے سے زمین پرضرب لگانے لگا۔(النھایہ فی غریب الحدیث والاثر ۱۱۳/۵: ۔لسان العرب ۲۰۰/۲)امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے یعنی اس بات کا بیان کہ آدمی کسی چیز سے زمین کریدے(صحیح بخاری ۴۸۱۸)پھراس کے تحت ایک جنازہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت سے متعلق حدیث ہےاور یہ غم کا موقع ہوتا ہےاس میں ہے فجعل ینکت الارض بعود یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی سے زمین کریدنے لگے(صحیح بخاری ۴۸/۸)

اس وضاحت سے یہ پتہ چلا کہ اہل عرب کے یہاں ینکت کا عمل سوچ اورغم کے وقت ہوتا تھا اور شہادت حسین اور حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے مشاہدہ سے ابن زیاد بھی غم وفکر میں پڑ گیا تھا اوراس سے بھی اس طرح کا عمل واقع ہوا یعنی وہ کسی چھوٹی اور باریک لکڑی سے زمین کرید رہا تھا۔چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ المتوفی ۸۵۵ نے اس جملے کی شرح یوں فرمائی''بخاری کی حدیث میں(کریدنے لگا)کا مطلب یہ ہے کہ عبیداللہ بن زیاد ایک لکڑی کو زمین پر رکھ کر کریدنے لگا(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ۲۴۱/۶)

اس کے بعد حسین رضی اللہ عنہ کے حسن و جمال کواس نے بغور دیکھا تو تعریف کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہا اور مدح وتعریف کرتے ہوئے اس نے اس لکڑی سے جس سے زمین کرید رہا تھا حسین رضی اللہ عنہ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا جیسا کہ دوسری روایات میں ہے نیز آپ کی خوبصورتی کی تعریف کی۔قارئین اس بات کو ذہن نشیں رکھیں کہ کسی بھی صحیح روایت میں یہ نہیں ہے کہ ابن زیاد کا یہ عمل حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے ساتھ مباشرۃ تھا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس نے دور سے اس لکڑی کے ذریعہ صرف اشارہ کیا تھا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ بخاری کے ساتھ ساتھ بہت سی روایات میں صرف ینکت یعنی کریدنے کا ذکر ہےاور عربی زبان میں عام طور پراس سے زمین کریدنا ہی مراد لیا جاتا ہےاور بعض روایات میں اس کے ساتھ اضافہ بھی ہے مگر کسی میں آنکھ کا ذکر ہے کسی میں ناک کا ذکر ہےاور کسی میں ہونٹ کا ذکر ہےاور کسی میں دانت کا ذکر ہے۔

اور یہ اختلاف اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ کرید نے کا عمل زمین کے ساتھ تھا اور چہرے کی طرف فقط اشارہ کیا گیا تھا جسے بعض رواۃ (راویوں) نے آنکھ بعض نے ناک، بعض نے ہونٹ اور بعض نے دانت کے ساتھ ذکر کیا۔ اور روایات میں اشارہ کی صراحت بھی ہے چنانچہ ترمذی کے الفاظ ہیں فجعل یقول بقیضیب فی انفہ یعنی وہ آپ کی ناک کی طرف لکڑی کے اشارہ سے کہنے لگا (ترمذی ۳۷۷۸) علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ترمذی کے اس جملے کی شرح میں فرمایا ''یعنی وہ آپ کی ناک کی طرف لکڑی کے اشارہ سے کچھ کہنے لگا (تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۹۲)۔ جناب عتیق الرحمٰن سنبھلی ناقل ہیں جب ایک روایت ٹھوکا دینے کے بجائے اشارے کرنے کی موجود ہے تو کم از کم شک کا فائدہ ابن زیاد کو پہنچنے سے ہم نہیں روک سکتے (واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر ص ۲۶۲)

اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کے اس طرز عمل پر صحابی رسول انس رضی اللہ عنہ نے کوئی نکیر نہ کی بلکہ عبیداللہ بن زیاد کی طرف سے مدح حسن کی تائید کی۔ اور عبیداللہ بن زیاد نے گستاخانہ طور پر ایسی کوئی حرکت کی ہوتی تو دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے والے انس رضی اللہ عنہ ضرور نکیر کرتے۔

سانپ کے سر ے ابن زیاد میں داخل ہونے والی روایت

یہ بھی یاد رہے کہ فتح الباری وغیرہ میں طبرانی اور بزار کے حوالے سے نکیر کی جو روایت منقول ہے وہ سخت ضعیف ہے۔ اسی طرح ابن زیاد سے متعلق یہ روایت کہ اس کی موت پر اس کے سر میں سانپ داخل ہوا۔ یہ بھی ضعیف اور مردود ہے اس لئے کہ اس میں اعمش مدلس ہے اور روایت عن سے ہے۔ لہٰذا قرین انصاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد نے کوئی گستاخی ہرگز نہ کی بلکہ احترام سے ہی پیش آیا ہوگا بلکہ ایک صحیح روایت کے مطابق تو ابن زیاد نے اس موقع پر حسین رضی اللہ عنہ کی کنیت سے یاد کیا (انساب الاشراف للبلاذری ۳/۲۲۶ والسنادہ صحیح) اور اہل عرب کنیت سے تعظیم کی بنا پر یاد کرتے تھے۔ چنانچہ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب عتیق الرحمٰن سنبھلی فرماتے ہیں ''اس روایت میں سب باتیں خود سمجھ لینے کی ہیں مگر ایک نکتہ عام قارئین کے اعتبار سے وضاحت طلب ہے کہ اہل عرب کے یہاں کنیت سے کسی کا

ذکر یا اس کو خطاب از ازراہ تعظیم ہوتا تھا۔اس روایت کے مطابق ابن زیاد نے حضرت حسین کا ذکر آپ کی کنیت ابوعبداللہ سے کیا ہے اور چھڑی سے کہیں ٹھوکا نہین دیا ہے بلکہ اشارہ کیا ہے۔جو ابن زیاد کے رویے کو کافی مختلف شکل دینے والی بات ہے(واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر ص ۲۵۶)

اور بلاذری کی صحیح روایت میں ہے بھی ہے کہ ''یعنی حسین رضی اللہ عنہ کی ازواج کی بیٹیوں کے بارے میں ابن زیاد نے یہ حکم دیتے ہوئے سب سے اچھا کام کیا کہ ان کے قیام کے لئے ایک خاص اور الگ جگہ پر انتظام کیا اور ان کا کھانا پینا بھی وہیں پہنچانے کا حکم دیا اور ان کے کپڑے اور دوسرے اخراجات فراہم کرنے کے بھی احکام دئے۔اسی دوران ایک واقعہ پیش آیا کہ عبداللہ بن جعفر کے دو بیٹوں نے بنو طے کے ایک شخص کے یہاں رکنے کے بارے میں سوال کیا تو اس (ظالم) نے انہیں قتل کر دیا اور ان کے سر لے کر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے پہونچا۔یہ دیکھ کر عبیداللہ بن زیاد نے اس کے قتل کا ارادہ کر لیا اور اس کے گھر کو منہدم کر دیا(انساب الاشراف للبلاذری واسنادہ صحیح)

اس روایت پر تدبر کرنے کے بعد کوئی سوچ سکتا ہے کہ اس طرح کے صاف وشفاف کردار کا مالک کیا حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کر سکتا ہے؟ جب ابن زیاد عبداللہ بن جعفر کے بچوں کے قتل پر آگ بگولہ ہو گیا اور قاتل کو سزا دی اور اس کے گھر کو گروا دیا تو پھر یہی عبیداللہ بن زیاد حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر کوئی نازیبا حرکت شنیعہ کرنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہے؟ بلکہ ظن غالب ہے کہ جس شخص نے حسین رضی اللہ عنہ کا سر پیش کیا تھا اسے عبیداللہ بن زیاد نے ضرور قتل کیا ہوگا چنانچہ بعض روایات میں اس کی صراحت بھی ہے ''حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل آپ کا سر قلم کر کے عبیداللہ بن زیاد کے پاس پہونچا اور کہا'' آج میں اپنی پیالی سونے چاندی سے بھر لونگا۔آج میں نے چھپے ہوئے بادشا کا قتل کیا ہے جو ماں باپ کے اعتبار سے اللہ کے بندوں میں سب سے بہتر تھے۔یہ سن کر عبیداللہ بن زیاد نے کہا'' جب وہ اللہ کے تمام بندوں میں ماں باپ کے لحاظ سے سب سے بہتر تھے تو تو نے ان کو کیوں قتل کیا؟ اس کے بعد عبیداللہ بن زیاد نے حکم صادر کیا کہ اس کو آگے لے جا کر قتل کر دو۔چنانچہ اس کی گردن ماردی گئی (العقد الفرید ۳۰/۵، العوصم من القواصم ص ۲۴۔الصواعق المحرقہ ۵۷۷/۵، سمط النجوم ۳۸۵/۳۔مروج الذھب ۱۴۳/۳)

اس کے علاوہ عبداللہ بن جعفر کے بیٹوں کے سر لانے والے کے ساتھ ابن زیاد نے جو کچھ کیا' اس کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر لانے والے کو بھی ابن زیاد نے معاف نہ کیا ہوگا بلکہ اس کی گردن مروادی ہوگی جیسا کہ اس روایت میں ہے۔

شیخ عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ سابق ایڈیٹر مجلّہ الاستقامہ (عربی) لکھتے ہیں''اس وقت پورے عالم اسلام میں سبھی ان سے محبت کرتے تھے، والہانہ ان کو چاہتے تھے۔ یزید' عبیداللہ بن زیاد، عمر بن سعد جن پر قتل کا شیعی الزام آتا ہے وہ بھی ان کے ساتھ فی الواقع کسی گستاخی کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ عبیداللہ بن زیاد نے قاتل حسین رضی اللہ کی گردن ماردی۔ (مجلۃ الاحسان، جلد ۱)

تاریخ میں مسئلہ یزید مین افراط و تفریط ھے۔حق بین بین ھے

عمر صدیق نے علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری (ایک عظیم اہلحدیث عالم صاحب تحفۃ الاحوذی) کا بھاری بھرکم نام لے کر ان سے مذمت عبیداللہ بن زیاد میں یہ نقل کیا کہ عبیداللہ بن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا پھر سانپ والی روایت اور چھڑی سے سر حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ گستاخی والی بات نقل کی۔ موصوف علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری کی کیا بات کرتے ہیں۔ مولانا داؤد راز' مولانا قاضی سلیمان منصور پوری اور خود عمر صدیق کے استاذ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ اور علامہ موصوف کے حاشیہ برادران نیز ان کے متعلقین مسئلہ یزید اور تاریخ بنی امیہ میں بد نصیبی سے حق وصواب سے دور ہیں لیکن یہ حالات کی مجبوری ہے۔ ہندو پاک کے چند علماء کرام کے نام مذمت یزید و مذمت عبیداللہ بن زیاد میں دلیل مذمت نہیں بن سکتے اس لئے کہ یہ تو چند نام عصر حاضر یا ماضی قریب کے علماء کے ہیں' علماء متاخرین میں تو حافظ ذھبی، حافظ ابن حجر عسقلانی، ملاعلی قاری، علامہ عبدالرحمٰن بن جوزی، علا سیوطی، حافظ ابن کثیر علامہ طبری سب ہی کم وبیش اس مسئلہ میں متاثر ہیں۔ لیکن یہ تمام علماء عمر صدیق کی طرح شیعوں کے انداز میں یزیدؒ اور شخصیات بنی امیہ پر تبرا نہ کرتے تھے بلکہ ان ہی کی تصنیفات میں یزید رحمہ اللہ اور عبیداللہ بن زیاد کے بارے میں بہت کچھ مثبت مواد بھی موجود ہے۔ حافظ ابن کثیر طبری اور ابن حجر عسقلانی کی کتب میں یزیدؒ کے تعلق سے جہاں کچھ قابل اعتراض باتیں ملتی ہیں وہیں دیانت داری کے ساتھ ان کے فضائل وخصائل پر بھی بہت کچھ موجود ہے

اور بڑی فراخدلی کے ساتھ ان لوگوں نے یزید رحمہ اللہ کے سلسلے میں بہت کچھ اچھا بھی نقل کیا ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ تو مسئلہ یزیدؒ میں سب سے زیادہ محتاط ہیں لیکن کربلا و یزید کے تعلق سے کچھ پہلوؤں پر علامہ موصوف بھی کچھ منفی لکھ گئے ہیں لیکن یہ منفی اتنا کم ہے کہ مثبت کے مقابلہ میں ناقابل اعتناء ہے۔

لیکن آپ کا تو انداز ھی نرالا ھے

مذکورہ بالا حقیقت کے تناظر میں تدبر کیا جائے کہ عمر صدیق صاحب کا یہ بالکل نرالا مسلک ہے یزید رحمہ اللہ کے تعلق سے کہ نہا دھوکر یزید کے پیچھے پڑے ہیں اور شیعوں اور رافضیوں کی طرح گلا پھاڑ پھاڑ کر یزید اور بنی امیہ پر تبرا کرتے ہیں نیز ان کو بدترین مخلوق، بدنہاد بدکردار اور نہ جانے کیا کیا ثابت کرتے ہیں جبکہ گذشتہ سرخی میں ہمارے ذریعہ گنوائے گئے اسماء علماء کرام میں یہ روش کسی کی نہیں۔ سب ہی نے فطری انداز میں جہاں کچھ مثالب و معائب بیان کئے ہیں وہیں محامد، خصائل و فضائل بھی نقل کئے ہیں لیکن عمر صدیق صاحب نے تمام علماء سے ہٹ کر ایک الگ راہ نکالی ہے جسکو ایک نئے مسلک کی حیثیت سے معنون کیا جاسکتا ہے۔ ہم پہلے بھی کہ چکے ہیں کہ کربلا، یزید اور بنی امیہ کے سلسلے میں شیعوں نے اپنا جادو چلایا ہے اور متقدمین تو نہیں البتہ علماء متاخرین ان شیعی دسیسہ کاریوں نیز تلبیس کاریوں سے بچ نہیں سکے اور ان علماء میں علامہ عبدالرحمٰن بن جوزی اور علامہ سیوطی متشددین کے طور پر مشہور ہیں جبکہ باقی علماء کے ہاں دونوں قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ بعد کے علماء و محققین نے اس عنوان پر بہت کام کیا ہے۔ فن اسماء الرجال کی بنیاد پر حدیثی و تاریخی روایات کا جائزہ لیتے ہوئے خیر و شر اور حق و باطل کا فیصلہ کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحریریں اس سلسلے میں سنگ میل کی حیثیت کی حامل ہیں۔ علامہ ابوبکر ابن العربی کی العواصم من القواصم تو شاھکار ہے اور علامہ محبّ الدین خطیب رحمہ اللہ نے حال ہی میں علامہ موصوف کی تحریروں کی شرح کی ہے جس نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے اور مولانا محمود عباسی، مولانا محمد اسحاق سندیلوی، حافظ صلاح الدین یوسف، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی اور عصر حاضر کے اہلحدیث کی پوری جماعت مسئلہ کربلا و یزید میں مسلک حق و صواب سے مشرف ہے۔ کم سے کم ہم نے تو ایک بھی اہلحدیث عالم ایسا نہ پایا جو یزید رحمہ اللہ کی مذمت کا قائل ہو۔ البتہ ابوزید ضمیر کی یزید مخالف تقریر اور عمر صدیق کی اس زیر بحث تقریر کے بعد یقیناً

ان دونوں (ابو زید اور عمر صدیق) کی تقلید کرتے ہوئے کچھ متشککین و متر ددین (شک و شبہ کے شکار) پیدا ہوئے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ یزید کا مسئلہ ایمان اور عقیدے کا مسئلہ تو ہے نہیں کچھ کہتے ہیں وہ کوئی ولی یا صحابی تو تھا نہیں بس ایک عام بادشاہ تھا۔ اس کے نہ ماننے سے ایمان تو نہ چلا جائے گا وغیرہ۔ تو اہلحدیث میں ان دونوں حضرات (ابو زید اور عمر صدیق) سے پہلے ایسا تبرا کبھی نہ کیا گیا۔ یہ البتہ ایک حقیقت ہے کہ ابو زید ضمیر کا انداز بیان سنجیدہ اور متین ہے لیکن عمر صدیق کا انداز رافضیوں اور شیعوں جیسا ہے۔ ابو زید ضمیر صدفی صد تحقیق کے بعد ان شاء اللہ رجوع کر سکتے ہیں (ہو سکتا ہے اپنی غلطی کا احساس کر چکے ہوں) لیکن عمر صدیق کی ضد اور ہٹ دھرمی سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کبھی بھی راہ حق وصواب سے بہرہ ور نہ ہوں گے البتہ ہدایت اللہ کے ہاتھوں میں ہے۔

کیا ابن تیمیہ ناصبی ہیں؟

اس کے بعد عمر صدیق کہتے ہیں ''حضرات آیئے ایک اور غلط فہمی کہتے ہیں ابن تیمیہ نے کہا چپ رہ یہ چپ شاہ بھی ناصبی ہیں۔ ناصبیوں کے درجے ہیں۔ اور میں اللہ مجھے معاف کرے۔ بات بڑی ہے۔ شاہ یزید کی حمایت کریں۔ میں کہتا ہوں دو نمبر شاہ ہے''

جواب۔ عمر صدیق کا یہ بیان بہت زیادہ پراگندہ، منتشر اور بکواس ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ یقیناً نبی سے اوپر نہیں کہ تنقید سے بالاتر ہوں۔ علماء کرام نے ایک نہیں متعدد مقامات پر علامہ ابن تیمیہ سے اختلاف کیا ہے۔ ہم نے بھی حسین و یزیدؒ سے متعلق تفصیلات میں کہیں کہیں اختلاف کیا ہے لیکن علامہ ابن تیمیہ سے کسی بھی قسم کی کدورت نیز بغض و عناد کے بغیر۔ کیا کسی مسئلہ میں کسی محترم اور عظیم عالم سے اختلاف کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس پر سب و شتم کیا جائے؟ اس کے لئے اہانت آمیز کلمات استعمال کئے جائیں جس طرح عمر صدیق نے ابن تیمیہؒ کو چپ شاہ، ناصبی یا ناصبی نمبر۲ جیسے گستاخانہ کلمات کہے؟ کیا عمر صدیق کی عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے جو شیخ ابن تیمیہؒ جیسی کوہ پیکر، بلند و بالا شخصیت نیز علوم وفنون کے بحر ذخار کے لئے ایسے نازیبا اور غیر مہذب کلمات استعمال کر رہے ہیں؟

شیخ ابن تیمیہ نے مجموع الفتاویٰ جلد۴ ص۴۸۳ میں یزیدؒ پر لعنت کرنے یا نہ کرنے نیز ان سے محبت کرنے یا نہ کرنے کے سلسلے میں تبصرہ کرتے ہوئے جو کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یزیدؒ کے سلسلے میں نہ ہی زیادتی کی جائے اور نہ کمی کی جائے یعنی چپ رہا جائے غالباً اسی لئے عمر صدیق ابن تیمیہ کو ناصبی قرار دے رہے ہیں کہ وہ یزید کی مذمت کے سلسلے میں چپ ہیں۔تو اس صورت حال میں شیخ ابن تیمیہ ہی کیا حافظ ذھبی بھی ناصبی ہوئے۔اس لئے کہ سیر اعلام النبلاء میں حافظ ذھبی نے بھی یہ فرمایا ہے کہ ہم یزید کو نہ برا کہتے ہیں اور نہ اس سے محبت کرتے ہیں (ص۳۶/۴) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عمر صدیق کے استاد محترم حافظ زبیر علی زئی بھی موصوف کے مطابق ناصبی ثابت ہوئے اس لئے کہ اپنے تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات ج ا ص ۳۱۱ میں حافظ زبیر علی زئی نے فرمایا ہے کہ یزید کے بارے میں سکوت اختیار کرنا چاہئیے یعنی چپ شاہ یا ناصبی بننا چاہئیے اس لئے کہ یہ حضرات یزید کی مذمت نہیں کرتے۔یاد رہے شیخ زبیر علی زئی کے نظریات تاریخ کربلا و یزید میں منتشر و پراگندہ ہیں۔عمر صدیق کو میرا یہ مشورہ ہے کہ یزید دشمنی میں غلو کرتے ہوئے علماء کے حفظ مراتب کا لحاظ کرنا چاہئیے۔

کیا کربلا میں اہل بیت کی بے توقیری ہوئی؟

اس کے بعد عمر صدیق فرماتے ہیں ''بتا تیری بیٹی ہو دربار میں اور مذاق اڑانے والے بکواس کریں، تیرے ایمان کی کیا حالت ہوگی؟ کیا کیا ظلم نہیں ہوا!

جواب۔ یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کو سیاہ اور رسوائے زمانہ بنانے کے لئے سبائیوں اور شیعوں نے کیا کیا گل کھلائے ہیں! ابو مخنف لوط بن یحییٰ جو مورخ طبری کا سب سے بڑا اور معتبر راوی ہےٴ نے تاریخ کربلا کو باقاعدہ طور پر گڑھا۔لمبی چوڑی کہانیاں وضع کیں۔مسلمانوں کی تاریخ کو سیاہ سے سیاہ تر ثابت کرنے کی ہر ممکن جہد وسعی کی۔حیرت ہے کہ مورخ طبری نے اتنے بدترین اور مردود راویوں سے اسلامی تاریخی روایات کیسے قبول کیں! اس مردود یہودی نے صحابہ، تابعین اور اہل بیت کے تعلق سے جو جو باتیں کیں ان کو طبری نے قبول کیسے کرلیا۔طبری کا یہ ناروا عمل ایک لمبی بحث کا متقاضی ہے کسی اور موقع پر ان شاء اللہ یہ داستان چھیڑیں گے۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی اس سلسلے میں ناطق ہیں ''کربلا کے میدان کا واقعہ بہت سادہ اور بہت مختصر ہے اور

جتنے قصے کہانیاں اس سلسلے میں بیان کی جاتی ہیں جب ان کی جانچ' اس وقت اور ماحول کے امکانات ومواقع ، روایتوں کے تقابل ، انسانی فطرت اور حضرت سیدنا حسین اور ان کے اہل بیت کے دینی شعور کی روشنی میں' کی جاتی ہے تو یہ تمام کے تمام قصے ایک ایسی من گھڑت داستان بن کر رہ جاتے ہیں جسے بس ابن سباء یہودی کے شیطانی منصوبے کے مطابق ہی گھڑا جاسکتا ہے (واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر ص ۲۸۵ ۔ ۲۸۶) تفصیلات تو بہت ہیں اس یہودی داستان گوئی کی لیکن بالاختصار ہم چند شواہد ہدیہ ناظرین کرتے ہیں ۔ عمر صدیق نے یہ جو کہا ہے کہ اہل بیت کی بیٹیوں کی عزت کو بھرے دربار میں تارتار کیا تو یہ قصہ عمر صدیق نے شیعوں سے امپورٹ کیا ہے ویسے بھی یہ بے پر کی یاوہ گوئی ہے اور اسی لئے دلیل اور حوالہ بھی پیش نہ کیا ۔ آیئے ہم تاریخ کی معتبر دلیل پیش کرتے ہیں جو یہ ثابت کرے گی کہ دربار یزید میں یا دربار ابن زیاد میں کسی بھی اہل بیت کی بیٹی کی عزت کا دامن تارتار نہ کیا گیا ۔ یہ داستان تو عمر صدیق نے اپنی سوچ ہی کی طرح کے لوگوں سے نقل کی ہے ۔ حافظ ذھبی نے یزید رحمہ اللہ کا محمد بن حنفیہؒ کے ساتھ حسن سلوک پیش کیا ہے پڑھیں ۔ "علی بن الحسینؒ کہتے ہیں کہ جب حسینؓ قتل کئے گئے تو ہم کوفہ پہنچے ۔ ہم سے ایک شخص نے ملاقات کی لہٰذا ہم اس کے گھر میں داخل ہوئے ۔ اس نے ہمارے سونے کا بندوبست کیا اور میں سو گیا ۔ گلیوں میں گھوڑوں کی آواز سے میری نیند کھلی پھر ہم یزید بن معاویہ کے پاس پہونچائے گئے تو جب یزید نے ہم کو دیکھا تو ان کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں ۔ پھر موصوف نے ہم کو وہ سب عطا کیا جس کی ہم نے خواہش کی ۔ انہوں نے مجھ سے کہا: آپ کے یہاں کچھ معاملات پیش آئیں گے، آپ ان لوگوں کے کسی معاملے میں شرکت نہ کریں ۔ پھر جب اہل مدینہ کی طرف سے یزید کی مخالفت ہوئی تو مسلم بن عقبہ کو یزید بن معاویہ نے خط لکھا جس میں انہوں نے مجھکو امان دی ور جب مسلم حرّہ کے واقعہ سے فارغ ہوئے تو مجھے بلوایا تو میں ان کے پاس حاضر ہوا اور میری وصیت لکھی جا چکی تھی لہٰذا انہوں نے مجھے وہ خط دیا اس مین تحریر تھا علی بن الحسین کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا اور اگر وہ اہل مدینہ کے معاملہ میں شریک ہو جائیں تب بھی انکو امان عطا کرنا اور معاف کر دینا اور اگر وہ ان کے ساتھ شریک نہ ہوئے تو یہ انہوں نے

بہت اچھا اور بہتر کیا (تاریخ الاسلام بشار ۲/ ۵۸۳ واسنادہ حسن) تفصیلات تو بہت ہیں لیکن ان چند حوالہ جات کی روشنی میں عمر صدیق یہ فیصلہ کریں کہ کیا واقعتاً اسلام کی بیٹیوں اور وہ بھی اہل بیت کی، کے ساتھ اس قسم کی بے توقیری کے واقعات ہوئے!

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بیان کا خلاصہ

آگے عمر صدیق کہتے ہیں ''حضرات' شاہ ولی اللہ علماء احناف میں سے ہیں۔ معتدل ہیں۔ یہ حجتہ اللہ کا آخری صفحہ ہے۔ (طلباء سے نکالنے کو کہا) نصاب میں شامل ہے۔ برصغیر میں توحید کا شیوع کروایا۔ فرمایا (شاہ ولی اللہ نے) وہ بادشاہ جو منافق بھی ہیں اور فاسق بھی ہیں جیسے حجاج اور یزید''

جواب۔ عمر صدیق صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ کی پوری عبارت من وعن نقل نہ کی بس اس مفہوم کو بیان کر دیا جو وہ خود سمجھے ہیں۔ حالانکہ پوری عبارت نقل کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہر حال وہ یزید کو بہتوں سے اچھا تسلیم کرتے ہیں سب سے اچھے زمانے میں ہونے کی بنا پر۔ پوری عبارت کا ترجمہ ہم پیش کرتے ہیں ''اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اعتبارات متعارض ہیں اور وجوہات ایک دوسرے سے باہم ملے ہوئے ہیں اور یہ ممکن نہیں اور یا یہ کہ فاضل دور کے ہر فرد کی فضلیت ہو مفضول دور کے ہر فرد پر۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ قرون فاضلہ میں بھی متفقہ طور پر وہ لوگ بھی ہیں جو فاسق ہیں' منافق ہیں اور ان ہی میں حجاج بھی ہے اور یزید بن معاویہ بھی اور مختار اور قریش کے وہ لونڈے بھی جو ہلاک کرتے ہیں لوگوں کو اور ان کے علاوہ بھی ہین جن کے برے حال کے بارے میں نبی اکرم نے بیان فرمایا ہے۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ قرن اول کے جمہور عوام قرن ثانی (دوسرے) کے جمہور عوام سے بہتر ہیں اور اسی طرح سمجھے جائیں گے کہ قرن دوم کی جمہور قرن ثالث (تیسرے) کی جمہور سے بہتر ہے'' اس مقام پر شاہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ حق بات تو یہی ہے کہ قرن اول کے عوام قرن ثانی کے عوام سے اور قرن ثانی (دوم) کے عوام قرن ثالث (تیسرے) کے عوام سے بہتر سمجھے جائیں گے اور یزید کو یہ فضلیت اس توجیہ سے حاصل ہے۔ اور ابو زید ضمیر نے بھی اپنی اسی قبیل کی رسوائے زمانہ تقریر میں (عمر صدیق جیسی) حجتہ اللہ البالغہ، جلد ۲ ص ۲۳۰ کے حوالے سے یہ نقل کیا تھا کہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دور آئے گا کہ گمراہی کے

دعاۃ (دعوت دینے والے) پیدا ہوں گے جو گمراہی کی طرف بلائیں گے۔حدیث کو ذکر کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ گمراہی کے داعی جو حدیث میں وارد ہے تو شام میں یزید تھا اور عراق میں مختار بن عبید ثقفی تھا۔ابوزید ضمیر نے کہا کہ اس طرح شاہ ولی اللہ کی نظر میں یزید گمراہی کے داعیوں میں تھا۔ہم کہتے ہیں کہ اس مقام پر کیا حدیث میں کوئی بھی قرینہ یزید کے نام کی تعیین کرنے کا پایا جارہا ہے جو شاہ نے بلا دلیل یزید کا نام بیان کر دیا اور عمر صدیق نے تو بلا دلیل ہی حجاج اور یزید کا نام لے دیا جبکہ پوری عبارت بیان نہ کی نیز حوالہ بھی نہ دیا اور اس عبارت کو ہم نے تحریر کر کے واضح کیا جبکہ اس عبارت میں بھی بہر حال قرون فاصلہ کی دلیل کی بنا پر کچھ نہ کچھ دفاع یزید پایا جارہا ہے لیکن عمر صدیق کو وہ کیوں نظر آنے لگا۔ان کو تو جرح یزید مجبوب ہے۔ابوزید ضمیر کی طرح منفی ہی سوچنا ہے منفی ہی بولنا ہے اور پھر دوسری بات شاہ تو خود ہی تاریخ میں دوسرے متاخرین کی طرح شیعی دسیسہ کاریوں کا شکار ہیں جس طرح تصوف کے معاملہ میں دنیا بھر کی خرافات و واہیات کا وجود شاہ کی متصوفانہ کتب میں پایا جاتا ہے جس کے ڈانڈے بریلویت سے ملتے ہیں۔اس سلسلے میں موصوف کی کتاب انفاس العارفین قابل ذکر ہے۔پھر شاہ تقلید کے مسئلہ میں بھی باوجود تمام کاوشوں کے حنفیت سے باہر کہاں نکل سکے؟ اتنا البتہ ہے کہ موصوف نے اس میدان میں سب سے بہتر جدوجہد کی۔اس حد تک تو یقیناً برکت ظاہر ہوئی اور ان کی اولاد و احفاد نے ایک نئے دور کا آغاز کیا لیکن ہمارے اہلحدیث علماء کسی بھی عالم یا مجتہد کی تھوڑی بہت توحیدی فکر دیکھ پورے خلوص سے اس کے معتقد ہو جاتے ہیں اور اس کی خلاف واقعہ مدح سرائی میں لگ جاتے ہیں۔شاہ کے معاملہ میں یہی ہوا۔جس مصنف کو دیکھو تاریخ اہلحدیث لکھنے کے لئے شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کا نام سب سے پہلے لکھ کر طرز تحریر کچھ ایسا رکھتا ہے کہ بس یہی مسلک اہلحدیث کے بانیوں کے ہند میں سرخیل ہیں اور حقائق دینیہ ان پر ختم ہوئے جبکہ ہونا یہ چاہئیے تھا کہ شاہ کا مسئلہ جیسا کچھ ہے ہو بہو ویسا ہی بیان کرنا چاہئیے۔ مولانا محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ نے اپنی کتاب تحریک آزادی فکر میں صاف کہا ہے کہ شاہ کی کتب میں بہت کچھ ایسا مواد پایا جاتا ہے جس سے بریلویت کی خاصی تائید ہوتی ہے یوں ہی علامہ غازی عزیر نے بھی اپنی کتاب ''کیا اقلیم ہند میں اشاعت اسلام صوفیاء کی مرہون منت ہے؟''

میں شاہ کے متصوفانہ شرک اور زیغ وضلال کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان کی بہت سی باتوں میں شرک صریح اور بدعت واضحہ کی نشاندہی کی ہے۔ میں بھی عنقریب انفاس العارفین کا جائزہ لینے والا ہوں۔ مطالعہ جاری ہے آخر میں میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ وہ یزیدؒ کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ، سیوطی، ابن جوزی، حافظ ابن حجر، حافظ ذھبی، ابن کثیر اور سب سے بڑھ طبری کے منتشر و متفرق مواد کو زیر غور نہ لا کر متقدمین خیر القرون کے نفوس مقدسہ نیز صحابہ وتابعین کے شرعی مواقف و مناہج کے ذریعہ اپنے نظریات استوار کریں۔ خلف سے نہ لے کر سلف سے لیں اور سلفی بنیں۔ نام دنیا بھر کا ہے عمر صدیق کا لیکن طرز تخاطب رافضیوں جیسا، افکار رافضیوں جیسے۔ شیخ کو آدھے تیتر آدھے بٹیر والی یہ شبیہ سوٹ نہیں کرتی کیونکہ وہ سلفی ہیں، شیعہ نہیں۔ پھر کیوں مذمت یزید کر کے شیعیوں کو خوش کرتے ہیں؟

کمال در کمال ہے!

حیرت ہوتی ہے اس تناظر عجیب پر کہ جن لوگوں نے کربلا میں قتل حسین کے مناظر دیکھے اور جو لشکر حسینی میں شامل ہو کر دربار یزید وابن زیاد میں حاضر ہوئے وہ تو یزیدؒ کے تعلق سے مثبت فکر ونظر کے حامل ہوں اور جو لوگ طبری پڑھ کر کربلا کا سفر کرتے ہوں وہ قتل حسین کا ذمہ دار یزید وابن زیاد کو گردانیں۔ حقیقت یہ ہے کہ افراد قافلہ حسینی واقعات کربلا کے عینی شاہد تھے لہٰذا وہ یزیدؒ کے تعلق سے مثبت تھے اور جن لوگوں نے شیعیت زدہ تاریخ کا مطالعہ کر کے شیعیت زدہ نظریات قائم کئے ہیں وہ اس حق برگشتہ تاریخ کے مقلدین ہیں لہٰذا عمر صدیق مقلدین خلف میں سے نہ ہوں بلکہ متبعین سلف میں سے ہونے کی سعی فرمائیں تو یہ سعی مشکور ہوگی۔

یزید بن معاویہؒ نے ابن زیاد سے انتقام کیوں نہ لیا؟

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عبارت میں تصرت کرنے کے بعد حافظ عمر صدیق یزید بن معاویہ رحمہ اللہ پر ایک اور فرد جرم عائد کرتے ہیں وہ یہ کہ موصوف فرماتے ہیں "مان لیجئے اس نے حکم نہ دیا (قتل حسین کا) عبید اللہ بن زیاد قاتل ہے۔ کئی تو ایسے ہٹ دھرم ہیں، کہتے ہیں کے جب عبید اللہ سر لے کر یزید کے پاس گیا تھا تو یزید نے عبید اللہ کا سر اتارا تھا۔ اتارنا واجب تھا کتب علیکم القصاص کے مطابق۔ کہتے ہیں ترک واجب پر وہ بھی باعث ملامت ہیں کہ اختیار کے ہوتے ہوئے بھی اس نے نبی کے بیٹے کے قاتل کو سزا نہ دی اور ساتھ

ہی ناصبی کہے گا علی نے بھی نہیں دی تھی وہ صحابی ہے۔"

[redacted] اس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید نے ابن زیاد سے قتل حسینؓ کا انتقام کیوں نہ لیا جب کہ قرآن کے مطابق یہ واجب تھا اور ترک واجب جرم ہے اور یہ بھی دعویٰ کیا کہ یزید کو انتقام لینے پر اختیار تھا لیکن اس نے جان بوجھ کر انتقام نہ لیا۔ اس سلسلے میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ پہلے تو آپ یہ ثابت کریں کہ کیا عالم اسلام میں کسی ایک نے بھی یزید بن معاویہ سے مطالبہ قصاص (بدلہ) کیا تھا؟ کہ قاتلین حسینؓ کو سزا دی جائے۔ دوسرے یہ کہ کیا خود اہل بیت نے یزید کے پاس پہنچنے کے بعد یہ مطالبہ کیا تھا کہ ابن زیاد کو سزا دی جائے اور اگر مطالبہ نہ ہوا تو دو میں سے کوئی ایک بات ضرور ہے۔ اوّل قاتلین حسینؓ کو سزا دی جا چکی تھی جیسا کہ روایات میں ملتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حالات سازگار نہ تھے کہ سزا دی جاتی۔ بہر حال ان دو میں چاہے کوئی بھی بات ہو لیکن یزید بن معاویہؓ پر کوئی فرد جرم عائد نہیں ہوتی ورنہ پھر علی رضی اللہ عنہ پر بھی یہ جرم عائد ہوگا کہ خلیفہ موصوف کی خلافت میں عثمانؓ کو قتل کیا گیا لیکن علیؓ نے قاتلین عثمان کو سزا نہ دی اور سزا تو دور کی بات ہے الٹے قاتلین عثمانؓ کو عہدے بھی تقسیم کئے تو کیا اس دلیل سے علیؓ بھی خطا کار اور مجرم قرار پائے؟ اور پھر یہ بھی قابل توجہ ہے کہ علیؓ سے تو قاتل عثمانؓ کی سزا کے لئے مطالبہ بھی ہوا لیکن اس مطالبہ کی تکمیل نہ ہو سکی اس لئے کہ علیؓ کی کچھ سیاسی مجبوریاں تھیں جو اہل نظر سے مخفی نہیں تو اس قسم کی سیاسی مجبوری یزید بن معاویہؓ کے ساتھ بھی ممکن ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یزید کو اہل مکہ و مدینہ پر حملہ کرنے کی قدرت تھی تو پھر قاتلین حسین سے انتقام لینے کی قدرت کیوں نہ تھی؟ تو عرض ہے کہ یہی بات تو علیؓ کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے کہ خلیفہ موصوف کو اہل جمل و اہل صفین پر حملہ کی قدرت تھی مگر قاتلین عثمانؓ کے خلاف قانونی کارروائی پر قدرت نہ تھی اور یہ بھی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں اس لئے کہ علیؓ کے ارد گرد سبائی اور بلوائی چھائے ہوئے تھے اور ہر طرف سازشیں عام تھیں۔ یہی کچھ مضمون شیخ صلاح الدین یوسف کی کتاب رسومات محرم الحرام اور سانحہ کربلا میں بھی مذکور ہے۔

میں اپنے دئیے ہوئے حوالوں کا ذمہ دار ہوں

آخر میں حافظ عمر صدیق نے کہا کہ "ہم کہتے ہیں لاؤ کوئی محدث اس (یزید) کے بارے میں بولے اور جتنے حوالے ہم نے دئیے ہیں اب بھی ذمہ دار ہیں، کل بھی اور موت تک اور مر بھی جاؤں تو یہ حوالے میری موت کے بعد بھی ملیں گے۔"

[redacted] ہم کہتے ہیں کہ عمر صدیق کی تقریر کے اس جواب میں ہم نے ایک نہیں لاتعداد حوالے صحابہ کرام اور

محدثین عظام کے دیے جن میں ان نفوس قدسیہ نے یزید بن معاویہ کی تعریف وتوصیف کی اور ناظرین نے ان حوالوں کا مطالعہ یقیناً کرلیا ہے۔ اس تناظر میں ناظرین سے گذارش ہے کہ وہ عمر صدیق کے دعوے پر غور و فکر فرمائیں کہ کیا اس میں صداقت وعدالت کا کوئی بھی پہلو پوشیدہ ہے؟ اس دعوے کو تو دنیا کا آٹھواں عجوبہ قرار دیا جاسکتا ہے! رہی مرنے کے بعد بھی حوالوں کی موجودگی تو مرنے کی بات جانے دیجئے ابھی تو آپ زندہ ہیں اور میں بھی زندہ ہوں۔ اگر آپ کے اس دعوے میں ذرا بھی صداقت ہے تو اس کتاب کا جواب دیں یا پھر ہم سے مناظرہ کریں تاکہ آپ کی آخرت خراب نہ ہو اور دوسروں کی آخرت بھی آپ کی ان خرافات وہفوات سے خراب نہ ہو۔ اللہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور فکر صحیح اور سلفی منہج کی دولت لازوال سے مالا مال فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔